مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماھنامہ نقوش اسلام

Issue.No.4 | جون ۲۰۰۹ء (June,2009) جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ | VOL.No.4

زیر سرپرستی

مفکر ملت حضرت سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبد القیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی — الحاج موسیٰ بھائی درسوت
مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی — مولانا محمد احمد صالح جی
مولانا حافظ قاری محمد ایوب — مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی
مدیر انتظامی: حافظ عبد الستار عزیزی
مدیر معاون: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood _azizinadwi@yahoo.co.in
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ ۱۰/روپے
سالانہ ۱۰۰/روپے
خصوصی ۳۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۲۰ ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
09675335910/ 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR PUBLISHED AT
Vill&P.O.MUZAFFARABAD, DISTT.SAHARANPUR (U.P) **EDITOR**:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

Files\A017.TIF not found. Files\A025.TIF not found. Files\A017.TIF not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
سیاست کے ٹھیکیدار اپنے وعدوں کو نبھائیں!	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
تعلیم وتربیت		۵
بچوں کی تعلیم وتربیت میں......	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی	
محاسن اسلام		۹
اسلام رہبانیت سے بچنے کی	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	
آداب زندگی		۱۲
اپنے بچوں کو زندگی گزارنے کے طریقے سکھائیں	مولانا اسرار الحق قاسمی	
سیرت وکردار		۱۵
مسلم خواتین کے سچے واقعات	مولانا محمد شیث ادریس تیمی دہلی	
تجزیہ		۱۹
ہندو پاک کے فقہی مکاتب......	مولانا سید محمد عبد الرشید ندوی	
نسیم ہدایت کے جھونکے		۲۴
حقوق وفرائض کے اسلامی تصور......	مسز جارجیا روزی (امریکہ)	
یادرفتگاں		۲۶
حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی......	مولانا محمد نسیم اختر شاہ قیصر	
درس اتحاد		۲۹
اختلاف امت اور اتحاد کی سبیل	مفتی رحمت اللہ نیپالی ندوی، لکھنؤ	
جائزہ		۳۲
مشرق وسطی کا ایک دردانگیز افسانہ	محمد عارف راجستھانی، دہلی	
تربیتی کورس		۳۷
یک سالہ تدریسی اور عصری کورس......	پروفیسر انیس احمد چشتی، پونہ	
راہ عمل		۴۲
یہ میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے	الحاج منشی عبد الغفور، نعمت پور	
اصلاحیات		۴۴
مسلمان بھائی کو حقیر مت سمجھو	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	
حالت حاضرہ		۴۸
عالمی خبریں	حافظ عبد الستار عزیزی	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین (فل سائز)............	۳۰۰۰
// // اول اندرونی // //	۲۵۰۰
// // آخر اندرونی // //	۲۰۰۰
صفحہ اندرونی (فل سائز)............	۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی............	۶۰۰
¼ صفحہ //............	۴۰۰

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۰۰/ روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کراکے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سنیٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الہند)

اداریہ

سیاست کے ٹھیکیدار اپنے وعدوں کو نبھائیں!

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

اس جمہوری ملک میں جتنے بھی افراد ہیں سب اپنے اپنے گروہوں اور پارٹیوں کے حامی و مددگار ہیں، دورانِ الیکشن ان کی ہاں میں ہاں ملاتے اور بغلیں بجاتے پھرتے تھے، ابھی تھوڑے ہی دن گزرے کہ ہر گلی، ہر شہر اور ہر قصبہ سے صرف ایک ہی آواز آتی تھی، الیکشن! الیکشن! الیکشن، غرضیکہ الیکشن کی ہماہمی اس وقت تک جاری رہی جب تک الیکشن اپنے اختتام کو نہیں پہنچا، ہر پارٹی اپنے امیدوار کو کامیابی کے دروازے پر لانے کے لیے شب و روز ایک کئے ہوئے تھی اور ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتی پھرتی تھی، بہر حال الیکشن کا دور ختم ہو گیا اور شور شرابے بھی ختم ہو گئے، جس کی پارٹی جیتی وہ خوش ہو گیا اور جس کی پارٹی ہار گئی اس کا چہرہ غم اور اداس سے فق پڑ گیا۔

••••————————————••••

مگر الیکشن سے جڑا ہوا ایک سوال ہماری توجہ کا طالب ہوتا ہے جس کو کم و بیش بیان کر دینا اپنا فریضہ سمجھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اس جمہوری ملک میں مسلمانوں کی حیثیت کیا ہے......؟ تو میں یہ بتا دوں کہ اس ملک میں مسلمانوں کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے اور بہت کچھ ہے، یقین جانئے اس ملک میں مسلمانوں کی حیثیت ایسی ہے جیسا کہ ''کھانے میں نمک'' ظاہر میں نمک کی حیثیت تو کچھ نہیں مگر اس کے بغیر کوئی کھانا لذیذ ہو ہی نہیں سکتا، چاہے سبزی ہو، سالن ہو، ترکاری ہو یا دال چاول ہو، یا سلاد ہی کیوں نہ ہو، نمک کے بغیر اچھا سے اچھا، عمدہ سے عمدہ کھانا بھی بدمزہ ہو جاتا ہے، یہی حال مسلمانوں کا ہے جو ہر پارٹی میں نظر آتا ہے، اس کے برخلاف ہر پارٹی بھی یہی چاہتی ہے کہ مسلمان ہمارے ساتھ ہوں، الیکشن کے دوران ہر پارٹی مسلمانوں سے ملنے اور ان سے ووٹ لینے کی کوشاں رہتی ہے کیونکہ ان کے دل و دماغ میں یہ بات پیوست رہتی ہے کہ اگر ہمارا ساتھ مسلمان دیدیں تو یقیناً ہم جیت جائیں گے، حالانکہ اس ملک میں کئی طبقے کے لوگ ہیں، سکھ بھی ہیں، عیسائی بھی ہیں، بدھ بھی ہیں، جین بھی ہیں، کرسٹان بھی ہیں اور ہندو سماج بھی ہیں، مگر جب بھی الیکشن کا دور آتا ہے تو بس ایک ہی طبقہ کی تلاش رہتی ہے مسلمان! مسلمان! مسلمان! اس ملک میں اس کی حیثیت چاہے کچھ بھی ہو مگر چناؤ کے وقت مسلمانوں ہی کا نام تمام سیاسی رہنماؤں کے ہونٹوں پر رہتا ہے۔

••••————————————••••

الغرض یہ سیاسی پارٹیاں پانچ سالہ حکومت سازی کے لیے الیکشن کے میدان میں اترتی ہیں اور جی کھول کر مسلمانوں سے وعدہ کرتی ہیں، انہیں بہلا، پھسلا اور بیوقوف بنا کر ووٹ لینے کے لیے ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتی ہیں، بعض پارٹیاں تو

ایسی ہیں کہ جب الیکشن آ تا ہے تو مسلم بستیوں اور محلوں میں اپنا ڈیرا جما لیتی ہیں اور ان کے دروازوں پر کاسہ گدائی لئے پھرتی رہتی ہیں، مگر یہ سیاسی پارٹیاں مسلمانوں کے بارے میں کچھ سوچتی بھی ہیں، کہ نہیں، جب کہ ہر پارٹی کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ الیکشن کے سلسلے میں مسلم ووٹوں اوران کی کوششوں کے بغیر کوئی بھی پارٹی اقتدار کے گلیاروں تک نہیں پہنچ سکتی، سیاسی جماعتیں اس طبقے کی طاقت اوران کے رول سے بخوبی واقف ہیں اوراسی لیے الیکشن میں ہر پارٹی مسلمانوں کے ووٹوں کی محتاج رہتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ مسلم طبقے کے حقیقی مسائل پر جیتنے کے بعد کسی نے فی الواقع نظر ڈالی، یا کسی نے غور کیا، مزید براں مسلمانوں کی تعلیم، ان کے روزگار اوراس سے جڑے بنیادی سوالوں پر کسی نے سنجیدگی سے غور بھی کیا، یا محض خوابوں اور وعدوں کی بھول بھلیاں میں الجھا دیتے ہیں، ان حالات کو دیکھ کر ہر شخص یہی شکوہ کرتا ہے۔ کہ ؎

ارباب حکومت کے نہ وعدوں پہ لگا آس　　اے دوست! یہ سائے نہ تو میرے ہیں نہ تیرے

بہرحال سیاسی پارٹیوں، حکومت ساز اداروں، قانون نافذ کرنے والوں اور الیکشن جیتنے والوں سے یہی گزارش ہے کہ اپنے وعدوں کا پٹارا کھولیں اور مسلمانوں کو لبھانے کے بجائے ان کے امن وامان کا مسئلہ حل کریں، اس ملک میں ہمیں صرف آزادی چاہئے، غلامی نہیں، ہمیں پرسکون ماحول اور اطمینان بخش سماج چاہئے، ہراساں اور خوف ودہشت پھیلانے والا سماج نہیں، ہمیں عزت اور محبت کی سوکھی روٹی چاہئے، خوف وذلت کا حلوہ نہیں، ہمیں اپنی صلاحیت کو بروئے کار لانے کے لیے مواقع سازگار ہونے چاہئے، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ہمیں سب سے پہلے اپنے شہری حقوق چاہئے، شہری تحفظ چاہئے، رواداری، میل ملاپ اور الفت ومحبت کا ماحول چاہئے، بے اطمینانی، بے کیفی، بےسکونی اور نفرت ودشمنی کا ماحول نہیں چاہئے، اس سے بڑھ کر ایک بات اور کہنا چاہوں گا کہ اب تک جو ہزاروں مسلم نوجوان دہشت گردی کے نام سے پکڑے گئے ہیں، انہیں ریمانڈ میں لے کر اوران سے جبری اقبالی بیانات حاصل کر کے انہیں جو جیلوں میں ٹھونسا گیا ہے اوران کا مستقبل تاریک بنایا گیا ہے، انہیں جلد از جلد انصاف دلا کر رہا کیا جائے۔

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ الیکشن کے ختم ہوتے ہی تمام سیاسی پارٹیاں اپنے وعدوں کو عملی شکل دینے میں اس طرح کتراتی ہیں جیسا کہ ان سے دور کا واسطہ بھی نہیں، جیتنے کے بعد ان کے سارے وعدے فضاء میں حلول کر جاتے ہیں، اگر انہیں فکر رہتی ہے تو اپنے ہی طبقے کے لوگوں کی، مسلم سماج چاہے بھاڑ میں جائے، ان کا پرسان حال کوئی نہیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے خواب ادھورے ہی رہ جاتے ہیں، اس لیے مسلم رہنماؤں سے میری یہ درخواست ہے کہ جن کی رسائی سیاست کے ٹھیکیداروں تک ہو وہ ضرور ان سے کہیں کہ اپنے وعدوں کو عملی جامہ پہنائیں اور مسلمانوں کو اس ملک میں پھلنے پھولنے کا موقع دیں۔

تعلیم وتربیت

بچوں کی تعلیم وتربیت میں عورتوں کا ہاتھ

افادات مفکراسلام حضرت مولانا سیدابوالحسن علی حسنی ندویؒ.................................مرتب: مولانا محمد عزیزاللہ ندوی ادارۃ الصدیق بھٹ

ماؤں اورپرورش کرنے والی خواتین کی ذمہ داریاں:

اسلام کے دو ایسے میدان ہیں، جن میں خواتین کو سبقت حاصل ہے، اور وہ ان میدانوں میں جو کارنامہ انجام دے سکتی ہیں اور اس کے ذریعہ سے امت اسلامیہ کا صرف نسلی تسلسل ہی نہیں اعتقادی، اخلاقی، ذہنی اور تہذیبی تسلسل کے قائم رہنے میں بنیادی کردار ادا کرسکتی ہیں، وہ انھیں کا حصہ ہے اور ہر دور میں ان کے نہ صرف تعاون بلکہ اس کی ذمہ داری قبول کرنے اور اس کو سرانجام دینے کے بغیر یہ معنوی تسلسل (جو اس امت کی اصل قیمت اور اس کی ضرورت وافادیت کا ثبوت ہے) قائم نہیں رہ سکتا۔

یہ دو میدان ہیں: ایک نئی نسل کی دینی تعلیم وتربیت کا ابتدائی کام اور اس کے قلب وذہن پر اسلام کا نقش قائم کرنا اور اس کو عمیق ومستحکم بنانا، دوسرے اسلامی تہذیب ومعاشرت کی حفاظت اور نئی نسل کو غیر اسلامی تہذیب ومعاشرت کے اثرات سے بچانا ہے۔

ہماری زبان ومحاورہ میں جب یہ بتانا ہوتا ہے کہ فلاں عادت، یا یقین، یا خوبی، یا کمزوری دل ودماغ میں پیوست ہوگئی ہے اور اب وہ نکالی نہیں جاسکتی، تو کہا جاتا ہے کہ ''یہ چیز گھٹی میں پڑی ہوئی ہے'' اور ظاہر ہے کہ یہ گھٹی ماں اور گھر کی شفیق اور مربی بیبیوں کے ذریعہ ہی بچوں کو ابتدائے شعور میں گھر ہی میں دی جاسکتی ہے، ماہرین تعلیم وتربیت اور علماءِ نفسیات نے اس حقیقت پر بہت زور دیا ہے کہ بچہ کے ذہن کی سادہ تختی پر جو ابتدائی نقوش پڑ جاتے ہیں وہ کبھی نہیں مٹتے، خواہ ان کو مٹا ہوا سمجھ لیا جائے، لیکن درحقیقت وہ مٹتے نہیں، دب جاتے ہیں، اور وقت پر ابھر جاتے ہیں، اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد ماؤں اور بچہ کی تربیت کرنے والیوں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے جو اس سادہ تختی پر آسانی کے ساتھ اچھے سے اچھے نقش بنا سکتی ہیں اور جن کو کوئی طاقت اور کوئی تعلیم وتربیت آسانی کے ساتھ مٹا نہیں سکتی۔

ماؤں اور پرورش کرنے والی خواتین اور گھر کی ان بیبیوں کا جو رشتہ میں بزرگ اور گھر کے ماحول میں اثر انداز اور قابل احترام ہوتی ہیں، اتنا ہی فرض اور ذمہ داری نہیں کہ وہ بچوں کو اللہ اور رسول کا نام سکھا دیں کلمہ یاد کرا دیں اور جب وقت آئے تو نماز پڑھنا سکھا دیں، یہاں تک کہ قرآن شریف پڑھنا بھی ان کو آجائے اور اردو پڑھنے کے قابل بھی ہو جائیں، ہندی زبان اور رسم الخط کی اس فرماں روائی کے دور میں جب لاکھوں مسلمان بچے اور بچیاں اردو کی ایک سطر پڑھنے اور اپنا نام تک لکھنے کے قابل نہیں ہوتیں، بلکہ اپنا نام زبانی بھی لینے اور بتانے کی ان میں صلاحیت نہیں ہوتی، جس کی درجنوں مثالیں انٹرویو کی مجلسوں، اسکولوں میں داخلے اور ملازمت کی درخواست دینے کے موقعہ پر سامنے آچکی ہیں، جو زیادہ تر گھروں کے اندر اردو لکھنے پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہونے اور اسلامی تاریخ، انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، ازواج مطہرات، اہل بیت اور پیشوایان اسلام کے ناموں تک سے واقف کرانے کے کام سے غفلت اور سستی کا نتیجہ ہے۔

اس ضروری کام کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان بچوں کو کفر

وشرک سے نفرت، توحید سے محبت، اس پر فخر، اسلامی نسبت ہونے اور کہلانے پر مسرت وعزت کا احساس، دین کی حمیت وغیرت، خدا کی اطاعت اور خدا کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق اور شیدائیت کی حد تک محبت، گناہوں سے نفرت اور گھن، دنیاوی ترقی ہی کو زندگی کا مقصد اور کامیابی اور عروج کی دلیل سمجھنے سے حفاظت، راست بازی اور راست گوئی کی عادت، خدمت وایثار کا شوق، خدمت خلق اور وطن دوستی کا جذبہ پیدا کرنا بھی ان کی ذمہ داری اور انھیں کے کرنے کا کام ہے اور اگر یہ کام بچپن میں اور گھروں کے اندر نہیں ہوا تو دنیا کی بڑی سی بڑی دانش گاہ اور سرکاری یا عالمی پیمانہ پر کوئی تربیت گاہ نہیں کرسکتی اور اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔

یہ بھی صفائی سے کہنا پڑتا ہے کہ جب تک مسلمان بچوں کو بت پرستی اور کفروشرک سے خواہ وہ کسی بیرونی، ملکی دیومالا اور نصاب تعلیم کے ذریعہ سے ہو، یا ریڈیو، ٹی وی یا لکچروں کے ذریعہ سے ہو یا خود مسلمانوں کے دین سے ناواقفیت اور دنیا دار اور پیشہ ور گروہوں کے اثر سے ہو، اسی طرح نفرت اور گھن نہ پیدا ہو جیسی گندی اور بدبودار چیزوں سے ہوتی ہے، تو ان کے ایمان کی حفاظت نہیں ہوسکتی اور ان کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کی ضمانت نہیں دی جاسکتی، یہ تربیت، یہ محبت ونفرت جو طبیعت کا خاصہ اور حواس خمسہ کے ساتھ ایک نیا خاصہ بن جائے، مسلمان گھرانوں کی میراث اور مسلمان نسلوں کے اعتقادی ومعنوی تسلسل کا راز رہا ہے اور جب تک یہ کام گھروں میں ماؤں اور گھر کی بڑی بہنوں اور بزرگ خواتین کے ذریعہ انجام نہیں پائے گا، بڑے سے بڑے پراثر مواعظ، مؤثر سے مؤثر دینی کتابیں اور مدارس دینیہ عربیہ کے لائق ترین اساتذہ کے ذریعہ بھی اس میں کامیابی حاصل ہونی چاہئے۔

لڑکیوں کی پرورش وتربیت میں مقابلہ او رحقوق میں مساوات:

اسلام کے اثر سے لوگوں کے دل ودماغ میں انقلاب عظیم واقع ہو چکا تھا، وہ لڑکی جو پہلے خاندان کے لیے اشراف ورؤسائے قوم کی نگاہ میں باعث ننگ وعار تھی (اور بعض قبیلوں میں اس کو زندہ درگور کردینے کا رواج تھا) آج ایسی عزیز ومحبوب بن چکی تھی جس کی پرورش اور تربیت کے لیے آپس میں مقابلہ کی نوبت آجاتی تھی، مسلمان سب برابر تھے اور مساویانہ حقوق رکھتے تھے، کسی کو کسی پر اگر فوقیت تھی تو کسی فضیلت علمی وعملی اور کسی معقول بنیاد پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے واپسی کا قصد کیا تو سیدنا حمزہ کی چھوٹی بچی ''امامہ'' چچا چچا پکارتی ہوئی آپ کے پیچھے ہولی۔

حضرت علیؓ نے اسے لے لیا اور حضرت فاطمہؓ کے حوالے کیا اور کہا کہ دیکھو یہ چچا کی لڑکی ہے، اب حضرت علی، زید، جعفر رضی اللہ عنہم کے درمیان اس مسئلہ پر کشمکش ہونے لگی، حضرت علی نے کہا کہ اسے میں لیتا ہوں، یہ میری چچازاد بہن ہے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری بھی چچازاد بہن ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے، حضرت زید نے کہا (اسلام کے رشتہ سے) یہ میری بھتیجی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ دیا کہ چونکہ بچی کی خالہ ان کے گھر میں ہے اور خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے، اس لیے اس کو وہاں زیادہ آرام ملے گا، حضرت علیؓ سے آپ نے بطور دلداری فرمایا: ''تم میرے ہو اور میں تمہارا ہو''، حضرت جعفرؓ سے فرمایا تم سیرت وصورت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو، حضرت زید سے ارشاد ہوا کہ: ''تم میرے بھائی ہو اور میرے مولی ہو''۔

مسلمان معاشرہ میں عورت کا احترام اور بچوں کی تعلیم وتربیت میں ان کا ہاتھ:

مسلمان گھروں میں ہر دور میں عورت احترام وعزت کی نظر سے دیکھی جاتی رہی ہے عموماً گھر کا سارا نظم ونسق اس کے حوالے ہوتا ہے اس کو ملکیت، خرید وفروخت کے اختیارات اور بہت سے قانونی حقوق حاصل ہیں، چھوٹی عمر میں بچوں کی تعلیم وتربیت بالعموم انھیں کی زیر نگرانی ہوتی تھی، شرفاء کے یہاں اور قدیم خاندانوں میں کوئی نہ کوئی پڑھی لکھی خاتون یا بڑی بوڑھی بچوں اور بچیوں کو قرآن شریف اور

دینیات کی تعلیم دیتی تھیں اور محلّہ، ٹولہ اور آس پڑوس کے بچے اور بچیاں ان کے پاس پڑھنے آتی تھیں، یہ اچھا خاصا مکتب یا چھوٹا موٹا مدرسہ بن جاتا تھا، ابھی تک کہیں کہیں اس کا دستور ہے، تعلیم کے ساتھ وہ بچیوں کو سینے، پرونے، کشیدہ کاری، کھانے پکانے اور خانہ داری کی بھی تعلیم دیتی تھیں۔

گھر کا ماحول بیویوں اور بیٹیوں کا ساختہ پرداختہ ہوتا ہے:

ہمارا پورا نظام معاشرت بلکہ نظام زندگی ونظام مذہبی بھی اس کے بغیر نہیں چل سکتا کہ بیبیاں اور بچیاں بھی اسلام سے واقف ہوں اور گھر میں جو کچھ ماحول ہوتا ہے وہ تو بیویوں اور بیٹیوں ہی کا ساختہ پرداختہ ہوتا ہے، اگر گھر کے اندر اسلامی فضا نہیں ہے، دینی تعلیمات نہیں ہیں، اسلامی اخلاق نہیں ہیں تو پھر اس نسل کی اسلامی پرورش ہو ہی نہیں سکتی، اس لیے ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ اس کا ہمیشہ اہتمام رکھا گیا اور امت کا طبقہ نسواں بھی ہمیشہ نہ صرف یہ کہ علم سے واقف بلکہ علم پھیلانے والا بھی رہا اور تذکرہ کی کتابوں میں ایسی بیویوں کے نام ملتے ہیں جو بڑی فاضلہ عالمہ تھیں اور جن کی وجہ سے خاندان کے خاندان بلکہ اس زمانہ میں ملت کا پورا حصہ دین سے واقف تھا اور دین پر کاربند تھا، ان کے کارنامے آپ دیکھیں بلکہ بعض خاندانوں کا ایمان بچایا ہے مستورات نے، انہوں نے شروع سے بچیوں کی ایسی تربیت کی اور اسلامی اور دینی غیرت کا اظہار کیا اور نقش کر دیا اور سچ پوچھئے تو دل کی بھٹی میں، دل کی خاک میں اور دل کے کشت زار میں تخم مائیں ڈال سکتی ہیں، گھر کی مستورات ہی ڈال سکتی ہیں، اور یہ تخم جب پک جاتا ہے تو پھر اس کو حکومتیں بھی نہیں اکھاڑ سکتی ہیں اور اس کی ہزارہاں مثالیں ہیں کہ ماں اور بہنوں سے پڑھا ہوا سبق، ان سے سکھا ہوا دین، ان کا بیدار کیا ہوا جذبہ، بڑے بڑے مجاہدین کی استقامت اور ان کی ثابت قدمی کا ذریعہ بنا اور اگر آپ ان کی تحقیق کریں اور ذرا ریسرچ سے اور سراغ رسانی سے کام لیں تو معلوم ہوگا کہ اصل جو اس میں ثبات واستقامت اور جذبہ پیدا ہوا ہے وہ ماں کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کی کثرت سے مثالیں ہیں کہ بڑے بڑے چوٹی کے علماء اسلام میں ایسے گزرے ہیں جن پر سب سے زیادہ ان کی ماؤں کا اثر پڑا ہے اور ان کی ماؤں نے ان کو اخیر تک اسلام پر قائم رہنے کی ہمت اور حوصلہ دیا ہے اور اس کے لیے مستقل کتابیں ہیں اور ہماری تاریخ میں مستورات کے طبقہ کی مستقل کتابیں ہیں کہ بعض اوقات انھوں نے اللہ کے راستے میں جان دینے پر آمادہ کیا اور اپنے لخت ہائے جگر کو انھوں نے خطرے میں ڈالا، ان کی ہمت بڑھائی، بلکہ ان میں غیرت پیدا کی کہ دین کے لیے کیوں کام نہیں کرتے ہو؟ دین کے لیے قربان ہو جانا چاہئے اور سب کچھ قربان کر دینا چاہئے، اس کی مثالیں ہماری تاریخ میں ملتی ہیں، بعض بڑے بڑے اکابر اور بڑے بڑے مجاہد پیدا ہوئے ہیں کہ اول اول کے اندر جو جہاد پیدا ہوا، اسلام کے لیے قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہوا اور اسلام پر نثار اور قربان ہو جانے کا جو حوصلہ پیدا ہوا وہ ان کی ماؤں کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ اکثر اہل اللہ کے حالات میں اور مجاہدین کے حالات میں اور فاتحین کے حالات میں ان کی ماؤں کا بنیادی حصہ ملے گا اور انہوں نے خود اعتراف کیا کہ سب سے پہلے ہمارے کان میں یہ بات ہماری ماں کے ذریعہ سے پڑی، انھوں نے ہمارے اندر دینی غیرت پیدا کی اور بعض موقعوں پر تو دینی حمیت پیدا کرنے میں ہماری خواتین کا حصہ زیادہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے اور جزائے خیر دے اور جو خطرہ پیدا ہو رہا ہے نئی نسل کے لیے ذہنی ارتداد کا اور ہم آگے نہیں کہتے اور اس سے باز رہنے میں سب سے بڑا ہاتھ ماؤں کا ہوگا اور اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ کسی کی مادر مشفقہ، کسی ماں کے فقرے نے ایک روح پیدا کر دی اور قربانی دینے اور ایثار اور اپنے کو خطرے میں ڈالنے پر آمادہ کر لیا، اس کی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اپنے عزیزوں کا اور رفقاء کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انشاء اللہ ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگا جو مسلمانوں کی آئندہ نسل کی ایمانی، دینی اور اخلاقی حفاظت کا کردار ادا کرے گا اور وہ طبقہ

صرف مستورات کا ہوسکتا ہے، خواتین کا طبقہ ہوسکتا ہے اور ہماری بہنوں کا طبقہ ہوسکتا ہے، اللہ تبارک وتعالی اس کو ترقی دے اوراس کو زیادہ مفید، نافع اور فیض رساں بنائے اوران کی محنتوں اوران کی جفاکشی اوران کی قربانیوں کو قبول فرمائے، ان کی فیاضیوں کواوران کی لڑکیوں کوجنہوں نے اس میں حصہ لیا ہے، اس کواللہ تعالی قیام اوردوام بخشےاوراس سے زیادہ نفع پہنچائے۔

دوباتیں نصیحت کے طورپر:

آخر میں ایک بات کہنا چاہتاہوں وصیت کےطور پر،نصیحت کے طور پر، مشورہ کےطورپر، جوکچھ بھی آپ سمجھیں، ایک تو یہ کہ آپ اپنی نیت درست رکھیں، یعنی یہاں محض اس لیے کہ اپنے شوہر یا گھر کی آمدنی میں اضافہ کررہی ہیں، یقیناً یہ بات آپ کے دماغ میں نہیں ہوگی، احتیاطاً کہتاہوں یہ نہیں کہ بھائی ہمارے شوہر چار پانچ سوکمارہے ہیں، دوسویہاں کےمل جاتے ہیں، چلو چھ سات سو ہوگئے، یہ نیت نہ رکھیں، آپ یہ سمجھیں کہ مسلمان بچوں اور بچیوں کی سعید روحوں کوبچانے کے لیےاوردین کےراستے پرلگانے کے لیےاللہ نے آپ کو یہ موقعہ دیا ہے کہ اپنی نیت کا روزروزنہیں تو ہفتے ہفتے، مہینے مہینے جائزہ لے لیا کیجئے، نیت تعلیم کی ہے، خدمت کی ہے، عبادت کی ہے یا کمانے کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان بچوں کوتوحیداورخدا سے ڈرنے کا سبق ضروردیا کیجئے، بات میں بات نکال کر، یاکسی نہ کسی بہانے سے یاکوئی واقعہ سنا کرجس سے توحید کا عقیدہ مستحکم ہوجائے، عورتوں میں شرک بہت ہے، ذراسی طبیعت خراب ہوجائے بچے کی اور ذرا دیر لگی تو فوراً بس فلاں مزار کی مٹی لے آؤاور فلاں بزرگ کے یہاں جاؤ اورنذر مانو، تو عورتوں میں خاص طور پرتعلیم کی ضرورت ہے، یہ نقش ان کے دل پر بٹھادیجئے کہ اللہ کےسوا کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچاسکتا، دوسرے خدا کا خوف ان کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کیجئے، جہنم کا خوف اور ڈراورجنت کا شوق یہ بہت کام آئے گا۔

اگردل میں خدا کا خوف پیدا ہوگیا اورآخرت کا سوال، حساب وکتاب کا یقین پیدا ہوگیا تو یہ علم بہت کام آئے گا اور ہرموڑ پراور ہر موقعہ پر یہی ہاتھ پکڑے گا اور یہی روکے گا، یہی ڈرائے گا، بس یہ دو باتیں میری وصیت یانصیحت یامشورے کےطور پر یا پیغام کےطور پر ہیں، آپ انھیں یادرکھیں۔

غزل

خبر کیا تھی کہ میرا ہمنوا کوئی نہیں ہوگا
ہزاروں دوست ہوں گے باوفا کوئی نہیں ہوگا

رکوں تو سوچتا ہوں فاصلہ لمبا نہ ہوجائے
چلوں تو سوچتا ہوں راستہ کوئی نہیں ہوگا

سبھی کرتے ہیں دعوی آج کل زہدوطہارت کا
مگر ان میں حقیقی پارسا کوئی نہیں ہوگا

جلا ہے آتش نفرت کےشعلوں میں میراگلشن
لگے ہیں اب کبھی پتہ ہرا کوئی نہیں ہوگا

سنا ہے کل سمندر میں سفینے چارسوہوں گے
مگر ان کشتیوں کا ناخدا کوئی نہیں ہوگا

میرےنغمات سن کر یوں توہراک آفریں کہہ دیں
بھری دنیا میں عرفاں ہمنوا کوئی نہیں ہوگا

قاری محمدعرفان خان
شاملی،ضلع مظفرنگر(یوپی)

محاسن اسلام

''اسلام'' رہبانیت سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسلام انسانیت اور اعتدال کا مذہب ہے، اپنے ماننے والوں سے اس کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ انسان رہتے ہوئے ہر طرح کی بے راہ روی، بدعنوانی اور کردار کی کوتاہی سے اپنے دامن کو پاک وصاف رکھیں، لیکن ان سے یہ مطالبہ نہیں کہ وہ بالکل بے گناہ فرشتے بن جائیں کہ نہ تو ان کو بھوک و پیاس کا احساس ہو اور نہ ان کے دل میں گناہ کا ذرہ برابر خیال گزرے، اسی طرح ان کو اس کی اجازت بھی نہیں کہ وہ بے محابا ہو کر بہیمانہ حرکتیں کرنے لگیں، یا خواہشات کی پیروی کو اپنا شیوہ بنالیں اور شتر بے مہار کی طرح آوارہ پھریں کہ کھانے پینے اور اپنی بہیمانہ خواہشات کی تکمیل کے سوا کوئی دوسرا مقصد حیات ہی نہ ہو، ان کو دونوں رخوں کے درمیان اعتدال اور میانہ روی بتائی گئی ہے اور یہی ان کے دین کا اصل طرۂ امتیاز ہے اور اسی کی وضاحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے، جب آپ ؐ کو اپنے چند اصحاب کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک نے اپنے اوپر یہ لازم کرلیا ہے کہ وہ رات بھر اللہ کی عبادت کریں گے، دوسرے نے یہ لازم کرلیا ہے کہ وہ پوری زندگی روزہ رکھیں گے اور تیسرے نے یہ عہد کرلیا ہے کہ شادی ہی نہیں کریں گے اور نہ اپنی بشری خواہشات کو پورا کریں گے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نہیں ایسا مت کرو، میں تم میں سب سے زیادہ عبادت گزار ہوں؛ لیکن یاد رکھو! میں اللہ کی عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور بغیر روزے کے بھی دن گزارتا ہوں اور میرے نکاح میں بیویاں بھی ہیں''۔

ایک طرف تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی، دوسری طرف روایات اس بات کو بھی بتاتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب کے پاس تشریف فرما تھے اور حسب خواہش کھانا بھی حاصل ہوا تھا، آپ ؐ نے ارشاد فرمایا: ''یہ ایسی نعمت ہے کہ اس کے متعلق قیامت کے روز تم سے پوچھا جائے گا آپ ؐ کا اشارہ دراصل قرآن کریم کی آیت ''ثُمَّ لَتُسئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ'' کی طرف تھا کہ پھر اس روز یعنی قیامت کے روز تم سے نعمت کے بارے میں سوال ہوگا''۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی بھی انسان اعتدال اور بیچ کی راہ سے ہٹا تو وہ فساد اور خرابی کا شکار ہوا، چنانچہ یورپ اپنے تاریک دور میں زبردست قسم کی رہبانیت کا شکار ہوا، جس میں لوگ روحانی ترقی کی خاطر اپنی فطری اور انسانی خواہشات تک کو کچل ڈالتے تھے، لیکن پھر بھی بندگی اور پاکیزگی کی راہ میں بڑی کامیابی حاصل نہ کرسکا اور اس طرح سے کامیابی کی امید بھی نہیں کی جاسکتی، چاہے انسان کی پوری نقل کیوں نہ کرنے لگے، جس میں اسے کھانے، پینے، غسل کرنے اور علاج ومعالجہ کی بھی ضرورت پیش نہ آئے، حق تو یہ ہے کہ انسان رہتے ہوئے انسان کے ہاتھ سے صلاح وتقوی کا دامن نہ چھوٹے اور اس کا انسانی شعور اس حد تک بیدار ہو کہ اسے انسانی ضرورتوں کمزوریوں انسان کی آرام وراحت اور اس کی آفت ومصیبت کا علم ہو، پڑوس اور رشتہ داری کے حقوق سے بھی واقف ہو، اپنی اور اپنے پڑوس ومعاشرہ کے لوگوں کی بشری ضروریات کا احساس وشعور بھی رکھتا ہو، دوسری بات یہ ہے کہ اخروی سعادت اور کامیابی کی طلب ہو، نیک اعمال کے ذریعہ اپنے رب کی رضا جوئی کا طریقہ ہو، اس لیے کہ اخروی خیر وسعادت کی جستجو اسے سرکشی اور بے راہ روی سے باز رکھے گی تو دنیاوی وسائل زندگی سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت اسے سنیاس اور رہبانیت کے گڑھے

میں گرنے سے محفوظ رکھے گی۔

چونکہ پہلے کبھی یورپ زبردست قسم کی رہبانیت اورسنیاس کا شکار ہو چکا ہے جس میں اس نے اپنے کو دنیاوی نعمتوں سے محروم کرلیا تھا، پھر بعد میں آنکھیں بند کر کے دنیاوی سامان آرائش وزیبائش کے پیچھے پڑ گیا جس کے نتیجہ میں مادیت کے دلدل اور خواہشات کے جنگل میں پھنسا ہوا ہے، لہٰذا اب تک یورپ کو دو متضاد تجربوں سے گزرنا پڑا ہے، اب اسے اعتدال اور میانہ روی کے تجربہ کی ضرورت ہے اور تجربہ اسلام کے علاوہ کہیں اور حاصل نہیں ہوسکتا، اس سلسلہ میں بڑی ذمہ داری مسلمانوں کے اوپر ہے کہ وہ یورپ کے اندر اسلام کی صحیح ترجمانی کریں اور اس کا حقیقی تعارف دنیا کے سامنے پیش کریں، انسانیت کے ساتھ اس نے کیا سلوک کیے، انسانیت پر اس کے کیا احسانات ہیں اس کو اجاگر کریں، لیکن یہ باتیں مسلمانوں کے لیے جب ہی ممکن ہوسکتی ہیں کہ خود بھی صحیح اسلامی اخلاق سے مزین اور آراستہ ہوں، ان میں کسی طرح کی افراط وتفریط نہ ہو، ان کے لیے بحیثیت ایک مصلح اور داعی امت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ غیر مسلموں کے سامنے سچا انسانی چہرہ اور مبارک انسانی زندگی لے کر جائیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کے اخلاق ومعاملات اور ان کی پوری زندگی کا حسین وبہترین مرقع پیش کریں۔

آج یورپ اپنی خواہشات نفسانی کے سمندر میں غرق ہو چکا ہے، بیشتر دینی وانسانی قیود سے آزاد ہو کر اخلاقی پستی اور حیوانی طرز زندگی میں پڑ چکا ہے، اس کو فی الوقت ایسے مسیحا کی ضرورت ہے جو اسے اس پستی اور ذلت سے اوپر لا سکے، آج کی مسیحی دنیا اپنے ملحدانہ مادی نظام حیات سے تنگ آ چکی ہے کیونکہ وہ بے غرضانہ انسانی جذبہ سے خالی اور محروم ہے اور مسیحی مذہب سے اس کا ربط برائے نام رہ گیا ہے، اس لیے کہ اس میں اب کسی دینی خلا کو پر کرنے کی صلاحیت بالکل نہیں رہی، لہٰذا حیران وپریشان مسیحی دنیا کسی ایسے دین کی تلاش میں ہے جو اسے زندگی کی بھول بھلیوں سے نکال کر منزل کی صحیح رہنمائی کرے اور اس کی صلاحیت اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب میں نہیں رہی۔

لیکن آج کل ہمارے کچھ افراد اسلام کو غیروں کے سامنے غمگساری، ہمدردی، انسانیت دوستی سے ہٹ کر خودغرضی اور نفرت اور معاندانہ طرز میں پیش کرتے رہیں گے، اس وقت تک غیروں کا جواب اور موقف اسلام کی طرف سے اعراض اور روگردانی کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا، ایسے میں ضروری ہے کہ ہم اسلام کو غیروں کے سامنے ایک ایسے دین کی حیثیت سے پیش کریں جو اس کی موجودہ اجتماعی اور اخلاقی زوال سے گلوخلاصی کرائے کیونکہ اب ساری دنیا کی طبیعت اس سے گھبرا چکی ہے اور اس سے دائمی نجات چاہتی ہے، چنانچہ اپنے ان پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کرنے میں سرگرداں اور پریشان ہے۔

لہٰذا ایسی صورت میں غیر مسلم کے سامنے اسلام کا روشن چہرہ ظاہر نہیں کیا گیا تو پھر اسلام ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا اور یہ مادی اور خودغرضانہ طور وطریق کی دنیا اسی طرح دردر کی ٹھوکریں کھاتی پھرے گی، تنکوں کا سہارا لے گی اور اسی سے اپنے درد کا مداوا کرے گی، اس لیے مسلم داعیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ دعوت اسلامی کے لیے مناسب اور موزوں طریقہ اختیار کریں، کیونکہ دعوت کی تمام تر ذمہ داری انہیں کے سر ہے، ارشاد ہے: "کُنتُم خَیرَ اُمَّةٍ اُخرِجَتْ لِلناس تامرونَ بالمعروف وتَنهَوْنَ عَنِ الْمُنکَر وتُومنونَ باللّٰه"۔

"تم ایسی خیر امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے، نیکی کی تم ہدایت کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

لیکن آج اسلام کے ماننے والے مختلف ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے ہیں، کچھ تو وہ ہیں جو اسلام کے صرف نظریہ جنگ وجہاد ہی کو مانتے ہیں اور اس سلسلہ میں صرف جذبات اور جوش سے بھری ہوئی آواز کو شیوہ بناتے ہیں، وہ ایسا کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وکردار اور طریقۂ کار کو نہیں دیکھتے، دین کی مصلحت، حکمت دعوت اور اتباع سنت کے طریقہ کو اپنانے میں کوتاہی کرتے ہیں، وہ حضور سیدنا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کو نہیں دیکھتے کہ آپؐ نے بعض منافقین کے نفاق کو اچھی طرح جان لینے کے بعد ان کو قتل کرنے سے گریز کیا اور آپؐ نے یہ خالص اسلام کی مصلحت سے کیا کہ اسلام کے خلاف دشمنانِ اسلام کو کھلے طور پر یہ الزام لگانے کا موقع نہ ہاتھ آ جائے کہ محمدؐ نے اپنے ساتھ رہنے والے کسی شخص کو قتل کر دیا؛ کیونکہ اس شخص کے کھلے نفاق اور اسلام دشمنی کو دوسرے لوگ جان نہیں سکتے تھے، چنانچہ اس حکمتِ عملی کے ذریعہ آپؐ نے اسلام کو بدنام ہونے سے بچایا، آپؐ کے سامنے اگر کسی نے کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا تو آپ نے اس کا اعتبار کیا، ایک صحابی کو اس بات کی خلاف ورزی کرنے پر زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرمایا، کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔

مذکورہ بالا گروہ کے برعکس دوسرا گروہ اسلام کو صرف عقلی نقطۂ نظر سے پیش کرنے پر اکتفا کر رہا ہے اور اسے مغربی نقطۂ نظر سے ہم آہنگ بنانے پر اپنی محنت صرف کر رہا ہے، جب کہ مغرب خود اپنے اس طرزِ زندگی سے بیزار ہو رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے افراد وقتاً فوقتاً اس زندگی سے منہ موڑ کر زندگی کے عام وسائل راحت کو چھوڑ کر تارک الدنیا شخص کی زندگی اپنانے لگتے ہیں۔

یہ مانا کہ مغرب نے خوب ترقی کی، سیاسی اور اقتصادی نظام، عسکری قوت، وسائل معیشت اور تمدنی ترقی میں اوجِ کمال کو پہنچ چکا اور اس کے ذریعہ اس نے اپنی مشکلات کو حل کرنے اور اندرونی اضطراب کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کی؛ لیکن اس کی ہر کوشش صدا بہ صحرا ثابت ہوئی، آج مغربی نوجوان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے مسائل کے حل کی تلاش میں ہر وادی کی خاک چھان رہا ہے اور ہر جگہ سے نامراد اور ناکام لوٹ رہا ہے، یہ اخلاقی ابتری اور ذہنی کشمکش کا آج مغربی نوجوان شکار ہے، یہ اس کے آزاد معاشرے کا نتیجہ ہے، جو اخلاقی اور دینی پابندیوں سے یکسر خالی اور آزاد ہے اور یہی ان کی بیماری کی اصل جڑ اور بنیاد ہے، ایسے میں مغرب کے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور خاص طور سے خاتم رسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہے، جن کی تعلیم یہ ہے کہ خالقِ کائنات سے ربط اور تعلق پیدا کیا جائے، جس کی دعوت یہ ہے کہ اعتدال اور توازن کے ساتھ اسبابِ زندگی اختیار کیے جائیں اور جن کا موقف یہ ہے کہ سامانِ راحت اور اسبابِ زندگی پر نہ تو ٹوٹ پڑا جائے اور نہ ہی رہبانیت اختیار کر کے ضروریاتِ زندگی تک سے منہ موڑ لیا جائے، ارشادِ باری ہے: "قل من حرم زينة اللّٰه التي اخرج لعباده والطيبات من الرزق قل هي للذين آمنوا في الحياة الدنيا خالصة يوم القيامة" دنیاوی زندگی کے تعلق سے موقف اور صحیح رائے یہی ہے کہ اس کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ یہ ایک محدود اور ختم ہو جانے والی زندگی اور دھوکے کا سامان ہے، لہٰذا بھلائی اور خیر اسی میں ہے کہ اعتدال کے ساتھ اس کو لیا جائے اور دل کو اس سے اس طرح نہ باندھ دیا جائے کہ کھولنا ہی مشکل ہو۔

آج مغرب اپنے موجودہ صنعتی اور سیاسی نظام کو چھوڑ کر نئے نظام کی خواہش نہیں رکھتا، اس لیے اس نے اعلیٰ قسم کے نظامہائے حیات کا تجربہ حاصل کیا ہے اور اس کا علم تحقیق اور فراست انتہا کو پہنچ چکی ہے، لہٰذا وہ مزید کسی نئے نظام کا خواہش مند نہیں؛ کیونکہ اسے اس میں اپنے مسائل کا حل نظر نہیں آتا آج تو مغرب کو دلی چین اور قلبی سکون کی تلاش ہے، جس سے اس کا نظام دیوالیہ ہو چکا ہے۔

حق کے داعیوں کے لیے ضروری ہے کہ اسبابِ حیات اور سامانِ زندگی سے مستفید ہونے اور ان کی حیثیت کی تعیین کے تعلق سے ان کی زندگی اعتدال اور جامعیت کا ایک قابلِ تقلید نمونہ ہو اور اس سلسلہ میں علمی تشریح سے زیادہ عملی نمونے مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں، جب کہ اس نظریہ کو فروغ دینے میں علمی تشریح کی بھی ضرورت ہے، جس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا؛ لیکن وہ مسئلہ کا اصل حل نہیں ہے، اصل حل صحیح نمونۂ زندگی میں ہے، تو کیا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کی سنت کے عین مطابق اپنی زندگی کے قافلے کو از سرِ نو آگے بڑھانے کا اقدام کرتے ہیں۔

❁❁❁❁

آدابِ زندگی

اپنے بچوں کو زندگی گزارنے کے طریقے سکھائیں

مولانا اسرارالحق قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، نئی دہلی

بچوں کو زندگی گزارنے کے طریقے بتانا موجودہ دور میں بہت ضروری ہے، بچوں کی عملی زندگی کو ان اسکولوں وکالجوں پر چھوڑ دینا جن میں وہ تعلیم حاصل کرتے ہیں نقصان دہ ہے، کیونکہ اس عہد میں تعلیمی اداروں خصوصاً عصری تعلیمی اداروں کا نصاب اور ماحول بہت حد تک تبدیل ہو چکا ہے، نئے تعلیمی نظام میں طلباء کی علمی زندگی کے لیے خاطر خواہ روشنی نہیں ملتی، کس طرح سے طلباء اپنی زندگی کو کامیابی کے ساتھ گزار سکتے ہیں، کس طرح وہ اپنی زندگی کو اخلاقی وانسانی قدروں سے مزین کر سکتے ہیں، اس سلسلہ میں عصری تعلیم گاہیں خاموش نظر آتی ہیں، ہاں ایسے تعلیمی اداروں کی تو ضرور بہتات ہوتی جارہی ہے، جن میں پروفیشنل کورسز پڑھائے جاتے ہیں اوران کو اسی کی تربیت دی جاتی ہے، کیسے اچھی تنخواہ حاصل کر سکتے ہیں، کس طرح اپنے بزنس کو بڑھا سکتے ہیں، کس طرح اپنے پروڈکٹ فروخت کر سکتے ہیں، کس طرح مارکیٹ میں اپنی شناخت بنا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ چیزیں تفصیل کے ساتھ سکھائی جاتی ہیں، چونکہ اس دور میں مادیت کا بول بالا ہے، اس لیے بڑی تعداد میں طلباء وطالبات ایسے اداروں کی طرف رجوع کر رہے ہیں، موجودہ دور کے اسکولوں وکالجوں میں موسیقی، رقص، کھیل کود اور مختلف انداز کے شعبے قائم ہو رہے ہیں، یہاں تک کہ جنسی تعلیم کے شعبوں کے قیام کی بھی جگہ جگہ حمایت ووکالت ہو رہی ہے، لیکن اخلاقی وروحانی تعلیم کے شعبے قائم نہیں کئے جارہے ہیں اور نہ ہی بچوں کی عملی زندگی کو انسانی اقدار سے مزین کرنے کی تربیت دی جارہی ہے، ایسے میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ والدین اپنے بچوں کی عملی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کیا کریں، کیسے انہیں اخلاقی ومذہبی زندگی گزارنے کی تعلیم وتربیت دیں؟۔

تعلیمی اداروں کے بدلتے تعلیمی نظام اور ماحول کو دیکھ کر والدین کے لیے بہتر ہوگا کہ وہ اپنے بچوں کی عملی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے خود کوشش کریں، انہیں اسکولوں وکالجوں پر نہ چھوڑیں، کیونکہ اس صورت میں ان کی عملی زندگی کے خراب ہونے کے زیادہ امکانات ہیں، معاشرہ میں دیکھا جارہا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے بچوں کو اخلاقی، روحانی ومذہبی تعلیم وتربیت نہیں دیتے اور صرف ماڈرن اسکولوں میں چھوڑ دیتے ہیں ان کے بچوں کی زندگی اخلاق واقدار سے محروم نظر آتی ہے، چنانچہ والدین کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کی بچپن سے ہی اخلاقی وروحانی تربیت کریں، انہیں بتائیں کہ انہیں کس طرح زندگی گزارنی چاہئے، کس طرح بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ پیش آنا چاہئے، کس طرح معاشرہ میں رہنا ہے، کس طرح اکل حلال پر توجہ دینی ہے، کس طرح معاملات کرنے ہیں، کس طرح اپنی زندگی گزارنا ہے، اس طرح کی تربیت خود دیں اور گھر کے ماحول کو اس طرح بنائیں کہ بچہ اس سے وہ سب کچھ سیکھ جائے جس کی اسے ضرورت ہے، ترقیات سے مرعوب ہوکر بچہ کو اس کے حال پر چھوڑ دینا اور ترقی کی علامت سمجھے جانے والے اداروں کو اس کی زندگی کے لیے کافی سمجھ لینا نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے، کیونکہ اس بات کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ عہد حاضر میں جس تیزی کے ساتھ ترقیات سامنے آرہی ہیں اور انسان مختلف علوم وفنون سے آشنا

ہورہا ہے، اسی قدر تیزی کے ساتھ انسان میں اخلاقیات کا فقدان ہوتا جارہا ہے۔

زندگی کے کسی بھی شعبہ کو لے لیجیے! وہاں مادی اعتبار سے تو بڑی حدتک کامیابی کے روشن امکانات مل جاتے ہیں، مگر انسانی واخلاقی لحاظ سے زیادہ تر مایوسی ہی ہاتھ لگے گی، اس مشینی دور میں لوگ ہواؤں میں اڑنا تو سیکھ گئے ہیں لیکن زمین پر چلنا بھول گئے، آج کے انسان کی پکڑ مادی پیشہ وارانہ علوم پر تو مضبوط ہوگئی ہے مگر وہ علوم جو انسان کو بحیثیت انسان متعدد اوصاف سے آراستہ کرتے ہیں، ان پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ بڑے اہم مقام پر فائز حضرات بسا اوقات زبان سے ایسی باتیں کہتے نظر آتے جو اخلاقیات کے لحاظ سے غیر مناسب ہوتی ہے، اسی طرح مادی علوم پر گہری نظر رکھنے والے افراد ایسے اعمال میں بھی کبھی کبھی ملوث دکھائی دیتے ہیں، جن سے انسانی اقدار کی دھجیاں اڑتی چلی جاتی ہیں، معاشرہ پر گہری نظر ڈالنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آج کی دنیا میں بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی خطرناک قسم کے جرائم میں ملوث ہیں، جب کہ انہیں عام لوگوں کے مقابلے زیادہ شریف، بااخلاق اور عمدہ انسان ہونا چاہئے کیونکہ ایک طرف وہ تعلیم کی دولت سے مالا مال ہیں، دوسری طرف وہ عوام الناس کے لیے آئیڈیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ بات طے ہے کہ اگر پڑھے لکھے لوگ انسانیت کی صدق دلی سے خدمت کریں، تو یقیناً بڑے پیمانہ پر وہ لوگوں کی خدمت کرسکتے ہیں، ان کے کام آسکتے ہیں، ان کی مدد کرسکتے ہیں، انہیں صحیح راستہ دکھا سکتے ہیں، لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کرسکتے ہیں، بلکہ پورے معاشرے کو صالح اور جرائم سے پاک بنا سکتے ہیں، لیکن اگر پڑھے لکھے لوگوں کا مطمح نظر صرف دولت کا حصول ہو اور انہیں انسانیت کی خدمت اور رہبری سے کوئی دلچسپی نہ ہو تو پھر معاشرہ کے حالات کو اور زیادہ دگرگوں ہونے سے بچانا مشکل ہوگا۔

اخلاق کی اسی وقعت واہمیت کے باعث اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اعلیٰ پیمانے پر اس کی تعلیم دی ہے، اور مختلف اعمال کے ذریعہ ان کی اخلاقی تربیت پر زور دیا ہے، اخلاقی تربیت کے پہلے پڑاؤ پر ایمان والوں کو سچ بولنے کی ہدایت کی گئی ہے، فرمایا گیا ''مومنو! اللہ کا خوف رکھو اور سچوں کے ساتھ رہو''۔ (التوبہ ۱۲۹)

سچائی پر اس لیے زور دیا گیا ہے کہ یہ انسان کے اندر بہت سی خوبیوں کو جلا بخشنے کا سبب بنتی ہے اور بہت سی برائیوں کے ارتکاب سے معاشرہ کو پاک رکھتی ہے، جو شخص سچائی سے انحراف کرکے جھوٹ کا سہارا لیتا ہے، وہ غیروں کے ساتھ بھی دھوکہ کرسکتا ہے اور اپنوں کے ساتھ بھی دھوکہ کرسکتا ہے، نہ اس کے کسی وعدہ کا اعتبار کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے کسی عہد اور قسم کا، کذب کوئی ناپسندیدہ عمل ہے اور ''سچ''، عظیم عمل ہے، اس لیے اللہ کے نزدیک سچے لوگوں کا اعلیٰ مرتبہ ہے، ارشاد باری ہے: ''اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو ایسے لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ، کیا ہی خوب ہیں یہ رفقا رفاقت کے لیے''۔ (النساء ۶۹)

انسان کو خواہشات پر قابو رکھنے کی تاکید کی گئی ہے، کیونکہ خواہشات کو آزاد چھوڑ دینا انتہائی خطرناک بات ہے، فرمایا گیا ''اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھئے جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں، اسی کی رضا کے طالب بنے ہوئے ہیں، ان کی طرف سے کبھی نگاہیں نہ پھیرئے کہ آپ دنیا کی آرائشیں چاہنے لگیں'' (الکہف ۲۸) اس آیت سے جذبات وخواہشات پر قابو پانے کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، دراصل خواہشات کو جس قدر بڑھایا جائے، وہ بڑھتی جاتی ہیں اور انسان کو اس کی اصلی مقصد سے ہٹا دیتی ہیں، فی زمانہ انسان خواہشات کے پیچھے بھاگنے لگا ہے، اس مادی دور میں ایک دوسرے کو دیکھا دیکھی جو مقابلہ آرائی کا سلسلہ شروع ہوا ہے وہ کسی طرح تھمنے کا نام ہی نہیں لیتا، اگر کچھ لوگوں کے پاس عمارتیں ہیں، گاڑیاں ہیں اور تعیّشات کے سامان ہیں تو دوسرے لوگ بھی انہیں

کی طرح ان سب چیزوں کوفراہم کرنے کے لیے رات دن ایک کئے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ انسانی تقاضوں کو بھی فراموش کئے ہوئے ہیں اوراللہ کے بہت سے احکامات کو بھی نظرانداز کررہے ہیں، دنیا کی آرائشوں کے حصول کی تمنا یقیناً انسان کو رجوع الی اللہ سے ہٹادینے والی ہے، اس لیے آیت بالا میں دنیا کی آرائشیں چاہنے سے پرہیز کی بات کہی گئی ہے، خواہشات اور جذبات کو طول دینے سے نفسانی خواہشات بھی بھڑ کنے لگتی ہیں، جس کے بعد انسان کے لیے ایسے گھٹیا عمل کی طرف بڑھنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، جس کو شریعت نے انتہائی بے حیائی وبدکاری والاعمل بتایا ہے، یہ نفسانی خواہشات کو آزاد چھوڑ دینے یا نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ بڑی تعداد میں عوام کے درمیان ٹی وی کا رواج عام ہورہا ہے، جس پر زیادہ تر فحش فلمیں، گانے اور لغو پروگرام دیکھے جارہے ہیں، اس سے کئی نقصان سامنے آرہے ہیں، ایک تو یہ کہ معاشرہ میں طرح طرح کی برائیاں پھیل رہی ہیں، دوسرے یہ کہ مغربی تہذیب کی مقبولیت بڑھ رہی ہے، لوگوں کا انتہائی قیمتی وقت ضائع ہورہا ہے اور چوتھی طرف انسان تقوی کی روش سے ہٹتا جارہاہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اخلاقی تربیت کے دوران جذبات وخواہشات پر قابو پانے کو سرفہرست رکھا جائے، نفسانی خواہشات کی پیروی سے اجتناب کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان کی روحانی تربیت کی جائے، جہاں تک ممکن ہو باطن کی صفائی پر زورصرف کیا جائے، کیونکہ اگر باطن صاف ہوگا تو یقیناً دل لغو اور گناہوں کی غلاظت سے بھری ہوئی باتوں کو قبول نہ کرے گا، بلکہ قلب وذہن کو سکون اسی وقت حاصل ہوگا جب روح کو تسکین دینے والا کوئی عمل کیا جائے اور جہاں تک روح کو تسکین دینے کی بات ہے تو وہ ذکراللہ سے حاصل ہے اور جب انسان ہمہ وقت ذکر خداوندی میں مشغول رہتا ہے تو دنیا وآخرت میں اس کی کامیابی یقینی بن جاتی ہے۔

❁❁❁❁

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو) ۱۰؍روپے

۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قوائد، مشق اور طریقہ تدریس اردو) ۱۰؍روپے

۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۳؍روپے

۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی) ۲۰؍روپے

۵- رہنمائے طریقت (شریعت وطریقت، تصوف وسلوک، اخلاق حمیدہ ورذیلہ) ۱۰؍روپے

۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (فقہ حنفی کے مراجع اوران کی خصوصیات، عربی) ۵؍روپے

۷- الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا (امامت کے مسائل واحکام، عربی) ۳۰؍روپے

۸- التدخین بین الشرع والطب (تمباکو ونشہ آور چیزیں شریعت وطب کی روشنی میں، عربی) ۲۰؍روپے۔

۹- حیات عبدالرشید (حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات) ۵۰؍روپے

۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد کی سوانح حیات) ۵۰؍روپے

۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (مولانا محمد میاں شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی وناظم اعلی جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی اور کارنامے) ۵۰؍روپے

۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر حالات زندگی) ۸؍روپے

۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (علامہ ندویؒ کے مختصر حالات زندگی) ۸؍روپے

۱۴- تذکرہ حضرت مدنی (حضرت سید حسین احمد مدنی کے مختصر واہم حالات) ۸؍روپے

۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (چودہ بزرگوں کے حالات) ۳۰؍روپے

۱۶- مقالات ومشاہدات (مختلف موضوعات پر تقریباً ۲۷ مضامین کا مجموعہ) ۳۰؍روپے

۱۷- مکتوبات اکابر (۲۰؍بزرگوں کے خطوط کا مجموعہ) ۳۰؍روپے

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

سیرت و کردار

مسلم خواتین کے سچے واقعات

محمد شیث ادریس تیمی دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر دہلی

جوهوذوق یقین پیدا:

ام الخیر بنت حریش البارقیہ کوفہ کی ایک نڈر اور بے باک خاتون تھیں، جنگ صفین میں انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں نہایت فصیح و بلیغ تقریریں کی تھیں، معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کوفہ کے گورنر کو لکھا کہ ام الخیر کو عزت واحترام کے ساتھ دارالخلافہ بھیج دو، ام الخیر تو پہلے سے ہی بعض امور پر تبادلہ خیال کی غرض سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی خواہاں تھیں، اس لیے خلیفہ کا پیغام سنتے ہی وہ سفر کے لیے راضی ہوگئیں، دمشق پہنچنے پر ان کا شاندار استقبال ہوا، چوتھے دن امیر نے ان کو ایوان خلافت میں طلب کیا وہ حاضر ہوئیں اور شکوہ وجواب شکوہ یوں شروع ہوا:

ام الخیر: "السلام عليك ياامير المومنين ورحمة الله وبركاته"۔

معاویہ: " وعليك السلام ياام الخير" آپ نے دیرینہ اختلاف کے باوجود مجھے امیر المومنین کے لقب سے خطاب کیا؟''۔

ام الخیر: ''گزری باتوں کو جانے دیجئے، ہر بات کا ایک وقت متعین ہے''۔

معاویہ: ''آپ نے بجا فرمایا، خیر اب ان باتوں کو جانے دیجئے، بتایئے کہ سفر کیسا رہا؟''۔

ام الخیر: ''اللہ تعالی نے بخیر وخوبی آپ کی خدمت میں پہنچا دیا اور مہربان حکمراں کے یہاں موجود ہوں''۔

معاویہ: ''میں محض اپنی حسن نیت کی بدولت آپ لوگوں پر فتح مند ہوا ہوں''۔

ام الخیر: ''امیر المومنین! اللہ تعالی آپ کو لغزش مقال اور اس کے انجام بد سے بچائے''۔

معاویہ: ''نہیں میری گفتگو کا منشا وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہی ہیں، اچھا آپ یہ بتایئے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قتل کے دن (معرکۂ صفین میں) آپ نے جو تقریر کی تھی وہ آپ کو یاد ہے؟''۔

ام الخیر: ''اگر پہلے سے اس کی تیاری کی ہوتی تو ممکن تھا کہ وہ یاد رہے، لیکن وہ تو دل افتادہ کی پکار تھی جو بے ساختہ زبان پر جاری ہوگئی تھی، حکم ہو تو دوسری باتیں کروں''۔

معاویہ: ''دوسری باتیں کرنا مناسب نہیں، معاویہ درباریوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں''۔

معاویہ: ''کوئی ہے جسے ام الخیر کی تقریر یاد ہو؟''۔

ایک درباری: ''ہاں امیر المومنین! مجھے اچھی طرح یاد ہے، سورۂ فاتحہ کی طرح''۔

معاویہ: ''سنایئے!''۔

درباری: ''میں ان کے قریب کھڑا تھا اور وہ گھنی جھالردار زبیدی چادر اوڑھے گھوڑے پر سوار تھیں، جس پر زین کسا ہوا تھا، ان کے ہاتھ میں متعدد چوٹیوں والا ایک کوڑا بھی تھا اور وہ نر اونٹ کی طرح فرط جوش میں یوں چنگھاڑ رہی تھیں: "ياأيهاالناس اتقوا ربكم إن زلزلة الساعة لشيء عظيم" اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے۔ (سورہ حج)

اللہ تعالی نے حق کو ظاہر کر دیا، دلیل کو واضح اور علم کو بلند، اس طرح

تم ضلالت وگمراہی کے عمیق غار سے نکل کر شاہراہ ہدایت پر گامزن ہو گئے، لوگو! اللہ تعالی تم پر رحم فرمائے، تم کدھر جارہے ہو؟ کیاتم امیر المومنین سے رشتہ توڑ کر میدان کارزار سے بھاگ رہے ہو، یا دشمن کے خوف سے دین اسلام سے ہی مرتد ہورہے ہو؟ کیاتم نے اللہ تعالی کا یہ فرمان نہیں سنا:"ولنبلونکم حتی نعلم المجاهدین منکم والصابرین" اور ہم تم کو ضرور آزمائیں گے، یہاں تک کہ ہم جان لیں کہ تم میں سے مجاہدین اور صابرین کون کون ہیں۔(سورۂ محمد)

پھر انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا:''اب پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا، یقین واذعان کمزور پڑ گئے اور ہر طرف خوف کی گھٹا چھا گئی، بار الہ! دلوں کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، تو تقوی کی بنیاد پر مسلمانوں کو متحد کردے، دلوں کو راہ ہدایت سے جوڑ دے اور حقدار کو اس کا حق عطا فرما۔

لوگو! اللہ تم پر رحم فرمائے، خدا را امام عادل اور صدیق اکبر کے جھنڈے تلے آ جاؤ، یہ بدری عداوت، جاہلی حسد اور احدی عداوت ہی تو ہے کہ معاویہ نے بنو عبد شمس کا بدلہ لینے کے لیے بےخبری کے عالم میں حملہ کر دیا ہے،اس لیے" فقاتلوا أئمة الكفر انهم لا ايمان لهم لعلهم ينتهون" ان پیشوایان کفر سے قتال کرو، کیوں کہ اب ان کی قسمیں نہیں رہیں، ممکن ہے کہ وہ لوگ اپنی حرکت سے باز آ جائیں۔

لوگو! صبر کرو اور دینی بصیرت اور ربانی استقامت کے بل پر قتال کرو، شام والوں نے آخرت کا دنیا سے، ہدایت کا ضلالت سے اور بصیرت کا اندھاپن سے سودا کر لیا ہے، کچھ ہی دنوں بعد ہر چہار جانب سے پشیمانی ان کو آ گھیرے گی، تب وہ نادم ہوں گے اور اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، خدائے ذوالجلال کی قسم جو شخص راہ حق وصداقت سے ہٹ گیا وہ ہلاک ہو گیا اور جو جنت سے محروم رہا یقیناً وہ جہنم رسید ہو گیا۔

لوگو! اہل خرد نے دنیوی زندگی کی بے ثباتی کا مشاہدہ کر کے اسے ٹھکرا دیا اور اخروی زندگی کو دائمی سمجھ کر اسے بنانے کی فکر کی،لوگو! قبل اس کے کہ حقوق پامال کئے جائیں، حدوداللہ کی توہین ہونے لگے، تمردو طغیان کا غلبہ ہو جائے اور شیطانی صفیں مضبوط، خدارا بتاؤ کہ تم کدھر جارہے ہو، آیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد، ان کی بیٹی کے شوہر اور حسنین کے ابا کو چھوڑ کر بھاگ رہے ہو؟ جو رسول کی مٹی سے پیدا ہوئے، ان کے زیر سایہ پروان چڑھے، جنہیں اپنا رازداں بنایا، اللہ نے ہر موڑ پر ان کی مدد فرمائی، وہ ہمیشہ صراط مستقیم پر گامزن رہے، کبھی راحت دنیا کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا، وہ تو مشرکوں کو خاک میں ملانے والے اور بتوں کو توڑنے والے تھے، انہوں نے اس وقت نماز پڑھی جب کہ سارے لوگ مشرک تھے، انہوں نے داعی کی آواز پر اس وقت لبیک کہا جب کہ دنیا شک وتردد میں مبتلا تھی، وہ اسی زندہ روایت پر گامزن رہے یہاں تک کہ انہوں نے مبارزین بدر کے پرخچے اڑادیئے، احد والوں کو فنا کے گھاٹ اتارا اور ہوازن کی جمعیت کو پارا پارا کردیا، تو پھر لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے دلوں کو نفاق وارتداد اور شقاوت وبدبختی کی آماجگاہ بنائے ہوئے ہیں،لوگوں مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا، جو نصیحت کرنی تھی کردی، توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔والسلام

معاویہ:''اے ام خیر! واللہ تمہاری تقریر نے تو لوگوں کو میرے خون کا پیاسا بنا دیا تھا، اس لیے اگر اب میں تجھے قتل بھی کروں تو گنہ گار نہ ہوں گا''۔

ام الخیر:''واللہ! مجھے اس کا ہرگز افسوس نہیں ہوگا کیونکہ آپ کی شقاوت میری سعادت کا باعث ہوگی اور میں شہادت کے مقام بلند کو پالوں گی''۔

معاویہ:''عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''۔

ام الخیر:''جب وہ سریر آرائے خلافت ہوئے لوگ ان سے خوش تھے اور جب وہ شہید کئے گئے تو لوگ ان سے ناخوش تھے''۔

معاویہ:''کسی کی مداح ایسی ہی ہوتی ہے؟''۔

ام الخیر:''اللہ شاہد ہے کہ ان کی مدح کے سوا میرا اور کوئی منشا نہیں ہے، وہ تو''سابقون الاولون'' میں سے تھے اور یقیناً آخرت میں ان کا

مرتبہ بلند ہے''۔

معاویہ: ''زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''۔

ام الخیر: ''ان کے کیا کہنے جن کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خوش خبری سنائی ہو اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور ہر مصیبت کے ساتھی ہوں''۔

اسی طرح امیر معاویہ نے ام الخیر سے طلحہ بن عبداللہ وغیرہ کے متعلق سوال کیا، جس کا انہوں نے نہایت عالمانہ و بے کانہ جواب دیا، پھر یہ کہہ کر یہ سلسلہ ختم کرنے کی کوشش کی۔

ام الخیر: ''امیر المومنین! آپ قریش میں ''احلم الناس'' ہیں، اس قسم کے سوالوں سے مجھے معذور سمجھیں''۔

امیر معاویہ نے اس کے بعد سوالات موقوف کر دیئے اور ام الخیر کو بیش قیمت انعامات و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

شرف میں بڑھ کر ثریا سے:

ابن سعد کی روایت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن خواتین جنت کی سردار سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو کچھ سخت وسست کہہ دیا، اس سے وہ بہت برہم ہوئیں اور بولیں۔

فاطمہ: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کی شکایت کروں گی''۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا شکایت لے کر آگے بڑھتی ہیں، علی رضی اللہ عنہ بھی سہمے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے ہو لیتے ہیں، اور وہاں پہنچ کر ان کی گفتگو سننے کے لیے کسی اوٹ میں چھپ جاتے ہیں، ادھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علی رضی اللہ عنہ کی سخت کلامی کی شکایت کرنے لگتی ہیں، بیٹی کی ساری باتیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

رسول اللہ: ''جان پدر! ذرا غور سے سن، کوئی میاں بیوی ایسے نہیں ہیں جن میں کچھ نہ کچھ شکر رنجی نہ ہوتی ہو اور کون ایسا مرد ہے جو ہر کام اپنی بیوی کے مزاج کے مطابق کرتا ہے اور اس کے پاس خاموشی سے آتا ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر علی رضی اللہ عنہ بہت متأثر ہوئے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

سیدنا علیؓ: اللہ کی قسم! آئندہ میں تمہیں کوئی ایسی بات نہیں کہوں گا جس سے تمہاری دل شکنی ہو۔

سرود رفتہ کا سراغ:

امام شعبی فرماتے ہیں کہ ایک دن قاضی شریح نے ہم سے کہا کہ تم لوگ بنو تمیم کی عورتوں سے نکاح کیا کرو، اس لیے کہ وہ بہت عقل منداور سلیقہ شعار ہوتی ہیں، اس پر میں نے کہا۔

شعبی: ''آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ بہت عقل مند ہوتی ہیں؟''۔

شریح: ''ایک دن کی بات ہے کہ میں دوپہر کے وقت کسی جنازے کی تدفین کے بعد بنو تمیم کے محلے سے گزر رہا تھا کہ ایک عورت کو دیکھا جو ٹیک لگائے ہوئے سائے میں بیٹھی تھی اور اس کے سامنے ہی ایک دوشیزہ بھی بیٹھی تھی، اس کی زلفیں کمر تک لٹک رہی تھیں، میں نے اس خاتون سے پانی مانگا، حالانکہ مجھے پانی کی خواہش نہیں تھی، اس نے کہا:

خاتون: ''آپ کیا پینا پسند کریں گے؟ نبیذ، دودھ یا پانی!''۔

شریح: ''جو میسر ہو''۔

خاتون: ''اسے دودھ پلاؤ کیوں کہ شاید یہ اجنبی ہے''۔

دودھ نوشی کے دوران میں قاضی کی نگاہ دوشیزہ پر پڑتی ہے جسے وہ پسند کر لیتے ہیں، پھر قاضی صاحب خاتون سے دریافت کرتے ہیں۔

شریح: ''یہ لڑکی کون ہے؟''۔

خاتون: ''یہ میری بیٹی زینب ہے''۔

شریح: ''اس کے باپ کا نام کیا ہے؟''

خاتون: ''حدیر''۔

شریح: ''کنواری ہے کہ شادی شدہ؟''۔

خاتون: ''کنواری''۔

شریح: ''آپ اسے میرے نکاح میں دے سکتی ہیں؟''۔

خاتون: ''کفو ہو تو کوئی حرج نہیں سمجھتی، لیکن اس معاملے میں لڑکی کے چچا سے بات کیجئے''۔

عصر کے بعد قاضی شریح اپنے احباب کے ساتھ زینب کے چچا کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

چچا: ''ابوامیہ (قاضی شریح کا لقب) کیسے زحمت فرمائی؟''۔

شریح: ''آپ سے ملنے کے لیے''۔

چچا: ''کوئی ضرورت؟''۔

شریح: ''جی ہاں! آپ کی برادرزادی زینب سے نکاح کا پیغام دینے آیا ہوں''۔

چچا: ''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے''۔

شادی کے بعد قاضی شریح بہت نادم ہوئے اور دل ہی دل میں کہا: میں نے نہایت اجڈ اور گنوار عرب کے یہاں شادی کر لی ہے، چنانچہ اس سے علیحدگی کی سوچی، مگر انہوں نے پھر سوچا۔

شریح: ''میں اسے اپنے گھر لا کر دیکھتا ہوں، اگر اس میں کوئی خوبی نظر آئی تو ٹھیک، ورنہ اسے طلاق دے دوں گا''۔

ایک شام زینب کو لباس عروسی میں اپنے میاں کے گھر پہنچا دیا گیا، جب رات ڈھلی تو قاضی شریح ان سے مخاطب ہوئے۔

شریح: ''سنت کا طریقہ یہ ہے کہ نئے نویلے جوڑے کو شب عروسی میں سب سے پہلے دو رکعت نماز شکر کی ادائی اور شب بخیر کی دعا کرنی چاہئے''۔

نماز کے بعد زینب نے اپنے شوہر قاضی شریح سے کہا:

زینب: ''اس وقت ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں نہ میں آپ کے اخلاق وعادات سے واقف ہوں اور نہ آپ کو میری عادت وخصلت کا علم ہے، اس لیے آپ بتائیے کہ کون سی خصلت آپ کو بھاتی ہے کہ اسے اختیار کروں اور کون سی عادت آپ کو بری لگتی ہے کہ اسے چھوڑ دوں''۔

شریح: ''تم جس قبیلے کی بہو بن کر آئی ہو میں اس کا سردار ہوں، اس لیے آج سے تم بھی اس قبیلہ کی عورتوں کی سردار ہو، میں فلاں فلاں باتوں کو پسند کرتا ہوں اور فلاں فلاں سے مجھے نفرت ہے، اچھی عادتوں کو اپناؤ اور بری خصلتوں کو ترک کر دو''۔

زینب: ''آپ کے سسرالی رشتہ دار یہاں آ سکتے ہیں''۔

شریح: ''دیکھو زینب! میں پیشہ سے قاضی ہوں، اس لیے میں نہیں چاہتا کہ وہ لوگ یہاں آ کر مجھے پریشان کریں''۔

زینب: ''آپ کا کون پڑوسی یہاں آ جا سکتا ہے اور کون نہیں؟''۔

شریح: ''بنو فلاں اچھے ہیں اور بنو فلاں برے''۔

قاضی شریح زینب کے ساتھ مسلسل تین دن بسر کرنے کے بعد دارالقضا تشریف لے گئے اور جب گھر لوٹے تو زینب کو پہلے سے بہتر پایا، ایک سال بعد ان کے گھر ایک خاتون آئیں جو زینب کو ہر وقت اچھے برے کی تمیز سکھاتی رہتی تھیں۔

قاضی صاحب نے زینب سے دریافت کیا۔

شریح: ''زینب! یہ خاتون کون ہیں؟''۔

زینب: ''میری والدہ ہیں''۔

قاضی اب اپنی خوش دامن کی طرف متوجہ ہوئے۔

شریح: ''اماں! اللہ آپ کو صحیح سالم رکھے''۔

ام زینب: ''ابوامیہ! تم نے بیوی کو کیسی پایا؟''۔

شریح: ''نہایت لائق خاتون ہیں''۔

ام زینب: ''دو مواقع ایسے ہیں کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آتی ہے، جب وہ سسرال میں غیر معمولی عزت پائے، یا پھر وہ کسی لڑکے کو جنم دے، اس لیے اگر تمہیں زینب کے بارے میں اس قسم کا کوئی شک ہو تو تم اسے کوڑا رسید کرو کیونکہ عام طور پر مرد احمق اور نخرے باز عورت کے شر سے محفوظ نہیں رہ پاتا''۔

شریح: ''واقعی زینب آپ کی بیٹی ہے، آپ نے اس کی حسن تربیت کے ساتھ اسے حسن ادب بھی سکھایا ہے''۔

تجزیہ

تیسری قسط

ہندو پاک کے فقہی مکاتب فکر اور اسلامی فرقے

مولانا سید محمد عبدالرشید ندوی منیجر ندوہ کمپیوٹر سینٹر لکھنؤ

شیعہ فرقہ:

شیعہ فرقہ ابتدائے اسلام سے موجود ہے، البتہ اس فرقہ کا تشخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں قائم ہوا، اس فرقہ کا بانی عبداللہ بن سبا ہے، جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ظاہری طور پر اسلام قبول کرلیا لیکن اندر سے منافق رہا، اسی نے ضعیف الاعتقاد اور کمزور ایمان والوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکایا اور بالآخر آپ کو شہید کرا کے دم لیا۔

یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ ''بیشک علی ہی خدا ہیں'' ابن ملجم نے حضرت علی کو شہید نہیں کیا ہے بلکہ شیطان کو قتل کیا ہے جس نے ان کی شکل اختیار کرلی تھی، حضرت علی بادلوں میں پوشیدہ ہیں، بجلی کی کڑک آپ ہی کی آواز ہے اور بجلی کی چمک آپ ہی کا کوڑا ہے، ایک وقت آئے گا جب آپ زمین پر تشریف لائیں گے اور اس کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے۔

پہلے اس فرقہ کے لوگوں کو ''شیعان علی'' کہا جاتا تھا، بعد میں یہی فرقہ ''شیعہ'' کہلایا، پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کے اندر مزید فرقے پیدا ہوتے چلے گئے، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ''التحفة الاثنی عشریة'' میں شیعوں کے ۷۳/فرقوں کے نام گنائے ہیں مثلاً: اثناء عشری، مہدوی، نصیری، بوہرہ، زیدیہ، امامیہ، بابیہ، آغا خانی، اسماعیلیہ وغیرہ۔

ہندو پاک اور ایران کے شیعہ حضرات میں سے اکثریت کا تعلق ''اثناعشری'' فرقہ سے ہے، اس ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی تمام فرقوں کو گمراہ کہا جاتا ہے، اثناعشری فرقہ کو اب تک حق پر سمجھا جاتا رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ حضرات اپنے عقائد کی کتابیں سنیوں سے چھپا کر رکھتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک علم کا چھپانا، اس کو پھیلانے سے زیادہ افضل ہے، لیکن علامہ خمینی کے جذبہ ''تبلیغ شیعیت'' نے آخر ان عقائد سے پردہ اٹھا ہی دیا جس پر صدیوں سے پردہ پڑا ہوا تھا، امام خمینی چونکہ ''شیعیت'' کو ایک عالم گیر مذہب بنانا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے اس سلسلہ میں کئی کتابیں عربی اور فارسی زبان میں لکھیں اور ایرانی سفارت خانوں کے ذریعہ ان کتابوں کی خوب تشہیر کرائی، اس طرح شیعوں کے جن عقائد کے بارے میں پہلے سنا جاتا تھا ان کی توثیق ہوگئی حیرت ہے کہ شیعوں کے عقائد غلط ہونے کے باوجود ان کو اب تک مسلمان کیوں سمجھا جاتا رہا، اور ان کو قادیانیوں کی طرح غیر مسلم کیوں نہیں قرار دیا جاتا۔

شیعہ فرقہ کی بنیادی عقائد:

قرآن کریم جیسا نازل ہوا تھا ویسا باقی نہیں رہا، اس میں کمی اور زیادتی کردی گئی ہے، مثلاً آیت ''ولقد عهدنا الى آدم من قبل فنسى ولم نجد له عزما'' (سورہ طٰہٰ آیت ۱۱۵) یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کو پہلے ہی حکم دیا تھا کہ اس درخت کے پاس نہ جائیں مگر وہ بھول گئے ہم نے ان کا کوئی ارادہ نہیں پایا، اس آیت کے بارے میں شیعوں کی کتاب ''اصول کافی'' صفحہ ۲۶۳/ میں لکھا ہے کہ اصل میں آیت اس طرح تھی مگر اس میں تحریف کردی گئی'' ولقد عهدنا الى آدم من قبل كلمات فى محمد وعلى وفاطمة والحسن والحسين والأئمة من ذريتهم فنسى...... هكذا والله انزلت على محمد صلى الله

علیہ و سلم" اورہم نے پہلے ہی حکم دیا تھا آدم کو کچھ باتوں کا،محمد،علی فاطمہ،حسن،حسین اوران کی نسل سے پیدا ہونے والے اماموں کے بارے میں پھروہ آدم بھول گئے (راوی امام جعفرصادق نے فرمایا) خدا کی قسم یہ آیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پراسی طرح نازل کی گئی ہے۔

اس قرآن کے علاوہ ایک قرآن اور ہے جس کا نام ''مصحف فاطمہ'' ہے، اس میں قرآن مجید سے تین گنازائد آیتیں ہیں اور اس میں موجودہ قرآن کا ایک لفظ بھی نہیں ہے۔

یہاں پرایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ شیعہ حضرات کے پاس جس طرح اپنا قرآن الگ ہے اسی طرح حدیث کی کتابیں بھی الگ ہیں، یہ لوگ صحیح بخاری،صحیح مسلم،موطا امام مالک،سنن ابوداؤد،سنن نسائی، سنن ابن ماجہ وغیرہ احادیث کتب کونہیں مانتے، بلکہ شیعہ عالموں کی فرضی گڑھی ہوئی حدیث کی کتابوں کو مانتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سوائے چار یا چھ صحابہ کرام کے باقی سب صحابہ کرام (نعوذ باللہ) مرتد ہوگئے تھے۔

''فروع کافی''، جلدسوم اور''کتاب الروضہ'' صفحہ ۱۵/ میں ہے کہ سوائے حضرت مقداد بن الاسودؓ، حضرت ابوزغفاریؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کے علاوہ سارے صحابہ کرام (نعوذ باللہ) مرتد ہوگئے تھے۔

شیعوں کے بارہ امام، نبیوں اور رسولوں کی طرح معصوم ہیں، ان کا منکر کافر ہے، ان کی اطاعت نبیوں اور رسولوں کی طرح واجب ہے، یہی نہیں بلکہ مشہور شیعہ عالم علامہ باقر مجلسی اپنی فارسی کتاب''حیات القلوب''، جلدسوم صفحہ ۱۰/ میں لکھتے ہیں''امامت کا درجہ نبوت وپیغمبری سے بالاتر ہے''۔

متعہ یعنی بغیر گواہوں کے وقتی نکاح کرنا جائز ہے، یہی نہیں بلکہ آیت اللہ خمینی کی عربی کتاب''تحریرالوسیلہ'' صفحہ ۲۹۰/۲۲۹۲ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ طوائف سے بھی متعہ کرنے کے قائل ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں"یجوز التمتع بالزانیة علی کراھة خصوصاً لو کانت من العواھرالمشھورات بالزنا" یعنی زانیہ عورت سے متعہ کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہے،خصوصاً جب کہ وہ مشہور پیشہ ورطوائف میں سے ہو۔

کتمان علم یعنی علم دین کو چھپانا اس کو پھیلانے سے زیادہ افضل ہے''اصول کافی'' صفحہ ۴۸۵/ پرتحریر ہے''امام جعفرصادق نے فرمایا کہ اے سلیمان! تم ایسے دین پر ہو کہ جوشخص اس کو چھپائے اس کو اللہ تعالی کی طرف سے عزت عطا ہوگی اور جواس کو ظاہر اور شائع کرے گا اس کو اللہ ذلیل اور رسوا کرے گا، اس کتاب کے صفحہ ۴۸۶/ میں امام باقر سے روایت ہے کہ مجھے اپنے متبعین میں سب سے زیادہ محبوب شخص وہ ہے جوسب سے زیادہ متقی، سب سے زیادہ سمجھ دار اور سب سے زیادہ میری حدیث کو چھپانے والا ہے۔

تقیہ کرنا یعنی اصل بات کو چھپانا اور مصلحتاً جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری اور کارثواب ہے، اصول کافی صفحہ ۴۸۲/ میں ہے''ابوعمیر عجمی سے روایت ہے کہ مجھ سے ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا''اے عمیر دس میں سے نوحصہ دین''تقیہ'' میں ہے، جس نے تقیہ نہ کیا اس کا کوئی دین نہیں، اصول کافی صفحہ ۴۸۳/ ابوجعفر علیہ السلام سے روایت ہے انھوں کہا''تقیہ میرے اور میرے باپ دادا کے دین کا حصہ ہے، جس نے تقیہ نہ کیا وہ صاحب ایمان نہیں''۔

یہ سوچنے اورغورکرنے کی بات ہے کہ جوفرقہ قرآن مجید میں کمی وبیشی کرنے کا، ایک دوسرے قرآن''مصحف فاطمہ'' پرایمان رکھنے کا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نعوذ باللہ مرتد ہونے کا، اللہ کے علاوہ کسی اور کو حلال وحرام کرنے کا اختیار دینے کا، متعہ کرنے کا، تقیہ کرنے کا قائل ہو اور اس پر ایمان ویقین رکھتا ہو تو کیا وہ فرقہ مسلمان ہوسکتا ہے؟ ایسے فرقہ کو تو قادیانیوں کی طرح غیرمسلم قرار دیدینا چاہئے۔

اھل قرآن فرقه:

بریلوی جماعت مقلدین میں پیدا ہوئی لیکن''فرقہ اہل قرآن''اہل حدیث یعنی غیر مقلدین حضرات میں پیدا ہوا، اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے شیخ محمد اکرام نے اپنی کتاب''موج کوثر'' میں اور جناب فرمان

علی نے اپنے مقالے ''سرسید احمد خاں'' میں کافی دلائل دیئے ہیں، یہ مقالہ ''ادبیات مسلمانان پاکستان وہند'' جلد ۹ رمیں شائع ہوا ہے۔

اس فرقہ کا بانی غلام نبی ہیں جو بعد میں عبداللہ چکڑالوی کے نام سے مشہور ہوئے، یہ بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح پنجاب سے ابھرے اور لوگوں کو انکار حدیث کی دعوت دی اور مسائل شرعیہ میں صرف قرآن مجید کو حجت ماننے کی تبلیغ کی، بعض تاجروں، جاہلوں اور عصری علوم کے حاملوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا، جب کچھ حامی وہمدرمل گئے تو عبداللہ چکڑالوی نے اس جماعت کا نام ''اہل الذکر والقرآن'' رکھا، آگے چل کر یہی جماعت ''اہل قرآن'' کہلائی، آج کل ان کو پرویزی کہا جاتا ہے۔

یہ فرقہ امور شرعیہ میں احادیث کو حجت نہیں تسلیم کرتا، صرف قرآن کریم ہی کو اپنا رہنما اور حجت مانتا ہے، جو امور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان کو آپ کی ذاتی اور وقتی رائے پر محمول کرتا ہے اور حاکم وقت کو پورا اختیار دیتا ہے کہ وہ جو چاہے حکم دے، خواہ یہ حکم احادیث کے صراحۃ خلاف ہو، البتہ قرآن حکیم سے اس کا تعارض نہ ہوتا ہو۔

اس فرقہ کے سلسلہ میں غلام مصطفیٰ صاحب یوں رقمطراز ہیں: ''اس فرقہ کی شجر کاری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی سرسید احمد خاں نے عمداً یا سہواً کی اور بعد کے لوگوں نے اس کی آبیاری کی، یہاں تک کہ یہ ایک تناور درخت بن گیا اور آج پاکستانی مسلمانوں کے لیے ایک چیلنج بنا ہوا ہے''۔

استاذ فرمان علی یوں تحریر کرتے ہیں: ''سرسید احمد خاں نے سرولیم میور کی کتاب Life of Mohammad کے رد میں جو کتاب ''خطبات احمدیہ'' کے نام سے لکھی اس میں وہ بعض غلطیوں کا ارتکاب کر بیٹھے، اس کتاب میں انھوں نے تدوین حدیث کے سلسلے میں بعض موضوع احادیث لکھ دی ہیں، ان کی اس طرح کی غلطیوں سے ''اہل قرآن'' فرقہ وجود میں آیا، اس فرقہ کے حامیوں نے جو کچھ بھی حدیث اور اس کی قطعیت کے انکار میں لکھا ہے وہ سب کا سب سرسید کے خیالات وافکار سے ماخوذ ہے، جو انہوں اپنی مختلف کتابوں میں ظاہر کئے ہیں۔

ڈاکٹر مصطفیٰ خاں سرسید احمد کے متعلق یوں تحریر کرتے ہیں: ''سرسید احمد خاں نے بعض صحیح احادیث کا عقلی معیار وپیمانہ پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے انکار کیا ہے، اس بات نے بعد میں آنے والے حضرات کے لیے تمام احادیث کا انکار کرنے کے لیے راستہ ہموار کردیا، اسی نظریہ کو مولوی چراغ علی نے اپنی کتاب ''تحقیق الجہاد'' میں تقویت پہنچائی، پھر بدقسمتی سے آگے چل کر اس فرقہ کو دو بڑے ادیبوں کا قلمی تعاون بھی حاصل ہوگیا، ان میں سے ایک تو مولوی اسلم جیراجپوری ہیں، دوسرے چودھری غلام احمد پرویز ہیں، ان دونوں نے فرقہ اہل قرآن کے خیالات وافکار کی خوب خوب ترویج واشاعت کی۔

نیاز فتحپوری مدیر ماہنامہ ''نگار'' لکھنؤ وکراچی نے بھی بہت سے مضامین انکار حدیث پر لکھے، جن کا تعاقب سید سلیمان ندوی اور عبدالماجد دریابادی نے کیا، مجبوراً نیاز فتحپوری کو توبہ نامہ شائع کرنا پڑا، لیکن ان کی یہ توبہ محض نمائشی تھی کیونکہ اس کے بعد بھی ''نگار'' میں ان کے مضامین وقتاً فوقتاً انکار حدیث پر چھپتے رہے، یہی نہیں بلکہ تمام منکرین حدیث میں ان کی ایک نرالی بات یہ ہے کہ وہ قرآن کو نہ خدا کا کلام سمجھتے ہیں اور نہ اسے ''منزل من اللہ'' بلکہ اسے ایک انسان کا کلام سمجھتے ہیں، اپنی کتاب ''من ویزداں'' صفحہ ۴۵ رجلد اول میں لکھتے ہیں: ''کلام مجید کو نہ میں کلام خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی، بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں اور اس مسئلہ پر میں اس سے قبل کئی بار مفصل گفتگو کر چکا ہوں۔

عبداللہ چکڑالوی، مولانا چراغ علی، اسلم جیراجپوری، غلام احمد پرویز، نیاز فتحپوری کے علاوہ علامہ عنایت اللہ مشرقی، خواجہ احمد دین امرتسری، حافظ عنایت اللہ اثری، ڈاکٹر غلام جیلانی برق (مؤلف کتاب ''دوقرآن'' انہوں نے ۱۹۵۳ء میں اپنے خیالات وافکار سے رجوع کرلیا تھا ملاحظہ ہو ان کی کتاب ''تاریخ حدیث'' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لمیٹیڈ لاہور) کا شمار بھی اس فرقہ کے مشہور لوگوں میں ہوتا ہے،

ان کے علاوہ بعض حضرات یہ ہیں:

حشمت علی لاہوری، مستری محمد رمضان گوجرانوالہ، محبوب شاہ گوجرانوالہ، خدابخش، سید عمر شاہ گجراتی، سید رفیع الدین ملتانی وغیرہ۔

اس فرقہ کے خاص خاص عقائدیہ ھیں:

(۱) جنت اور دوزخ کا مطلب دنیا کی خوشحالی اور بدحالی ہے، اسی طرح آخرت کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار صرف دنیا کی خوشحالی یا بدحالی پر ہے، جنت یا دوزخ کا مستقل کوئی وجود نہیں ہے۔

(۲) فرشتے کوئی مخلوق نہیں ہیں بلکہ اس سے مختلف چیزیں مراد ہیں کہیں اس سے مراد انسان کے اندر موجود داخلی قوتیں اور کہیں خارجی قوائے فطرت اور کہیں طبعی تغیرات اور کہیں نفسیاتی محرکات وغیرہ ہیں، اسی طرح جن اور شیاطین سے مراد شر کی قوتیں ہیں۔

(۳) اہل قرآن حضرات تمام معجزات کے منکر ہیں خواہ وہ قرآن سے ثابت ہوں یا احادیث نبوی سے ثابت ہوں اور اس کے لیے وہ قرآن کے معنوں میں تحریف کرنے سے بھی نہیں چوکتے، غلام احمد پرویز کی کتاب ''مفہوم القرآن'' سے چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

"قالوا احرقوه وانصروا آلهتكم ان كنتم فاعلين قلنا يانار كونی برداً وسلاماً على ابراهيم"۔ (سورہ الانبیاء آیت ۶۸/۶۹)

یعنی انہوں نے کہا تم لوگ اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کرنے والے ہو، ہم نے حکم دیا اے آگ سرد ہو جا اور ابراہیم علیہ السلام پر سلامتی بن جا۔

پرویز صاحب اس آیت کا مفہوم ''مفہوم القرآن'' صفحہ ۱۴۷ر میں یوں بیان کرتے ہیں، انہوں نے عوام کو مشتعل کیا اور کہا اگر تم میں کچھ ہمت ہے تو اٹھو اور اس شخص کو جس نے تمہارے معبود کے ساتھ یہ حرکت کی ہے زندہ جلا دو اور اس طرح اپنے دیوتاؤں کا بول بالا کرو، وہ ابراہیم کے خلاف عداوت اور انتقام کی آگ یوں بھڑکا رہے تھے اور ہم ایسا انتظام کر رہے تھے کہ اس آگ کے شعلے سرد پڑ جائیں اور وہ ابراہیم کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں۔

"سبحان الذی اسری بعبده ليلاً من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى، الذی باركنا حوله لنريه من آياتنا"۔ (اسراء آیت ۱) یعنی پاک ہے وہ ذات جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصی لے گیا، جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔

پرویز صاحب اس آیت کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں: ''خدا کی اسکیمیں اتنی بلند تر ہیں کہ وہ ان کے قیاس وگمان میں بھی نہیں آسکتیں، چنانچہ وہ اپنی اسکیم کے مطابق اپنے بندے کو راتوں رات بیت الحرام (مکہ) سے نکال کر مدینہ کی کشادہ سرزمین کی طرف لے گیا تاکہ اس دور دراز مقام میں جاکر نظام خداوندی کی تشکیل کرے، ہم نے اس مقام اور اس کے گردوپیش کو بڑا بابرکت بنایا ہے، اس کی فضا آسمانی انقلاب کے لیے بڑی سازگار ہے، یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا ہے کہ خدا ان باتوں کو آشکارا کردے جن کا اتنے عرصہ سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔

چونکہ نماز کی فرضیت تو قرآن کریم سے ثابت ہے لیکن نماز کے اوقات، ترکیب نماز، نمازوں کی تعداد اور رکعات کی تعداد حدیث سے ثابت ہے، قرآن سے ثابت نہیں، اس لیے اہل قرآن حضرات کے نزدیک حکومت وقت کو ان تمام چیزوں میں ردوبدل کرنے کا اختیار حاصل ہے، اس سلسلہ میں ''قرآنی فیصلے'' صفحہ ۱۲ر تا ۱۴ر کا خلاصہ ملاحظہ ہو، تاہم اگر یہ قرآنی حکومت ان مسلمہ جزئیات یعنی نمازوں کی تعداد، رکعات کی تعداد، اوقات نماز اور ترکیب نماز میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس کرے تو ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہوگی۔

اہل قرآن حضرات کے نزدیک زکوۃ ایک ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت مسلمانوں سے وصول کرتی ہے اور چونکہ زکوۃ کا نصاب اور شرح زکوۃ جو حدیث نے متعین کی ہے قرآن نے متعین نہیں کی اس لیے حکومت کو جتنی ضرورت ہو اسی اعتبار سے زکوۃ وصول کرنے کا حق ہے، حکومت کے علاوہ کسی اور کو زکوۃ وصول کرنے کا حق نہیں، گویا جہاں مسلمانوں کی حکومت نہیں وہاں زکوۃ بھی فرض نہیں۔

حکومت کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں سے زکوۃ وصول کرے "خذمن اموالهم صدقة" (توبہ آیت ۱۰۳) حتی کہ ان کارکنوں کا بھی ذکر ہے جو زکوۃ کی وصولی کے لیے متعین کئے جائیں گے "والعاملین علیها" (توبہ آیت ۶۰) اس لیے زکوۃ اس ٹیکس کے سوائے اور کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے، اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی اس لیے کہ شرح زکوۃ کا انحصار ضروریات ملی پر ہے حتی کہ ہنگامی صورتوں میں وہ سب کچھ وصول کرسکتی ہے، جو کسی کی ضرورت سے زائد ہو، لہذا جب کسی جگہ اسلامی حکومت نہ ہو تو زکوۃ بھی باقی نہیں رہتی۔

اہل قرآن کے نزدیک ''مرکز ملت'' کو دینی فرائض میں بھی حالات کے پیش نظر ہر قسم کی تبدیلی کرنے کا اختیار حاصل ہے، خواہ یہ تبدیلی صراحۃً حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک احادیث دین کا حصہ نہیں ہیں اور نہ ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔

''مرکز ملت'' کی وضاحت حافظ اسلم صاحب جیراجپوری ان الفاظ میں کرتے ہیں ''قرآن میں اطاعت رسول کے جو احکام ہیں آپ کی ذات اور زندگی تک محدود نہیں ہیں بلکہ منصب امامت کے لیے ہیں جس میں آنے والے تمام خلفاء داخل ہیں، ان کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، قرآن میں جہاں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت یعنی ''مرکز ملت'' کی اطاعت ہے، جب تک رسولؐ امت میں موجود تھے ان کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت تھی اور آپ کے بعد آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت ہوگی، اطاعت رسول کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے بعد جو کوئی ان کے نام سے کچھ کہہ دے ہم اس کی تعمیل کرنے لگیں۔

عربی اور اردو کی تمام تفاسیر قرآنی اور تراجم غلط ہیں کیونکہ یہ سب احادیث کی روشنی میں لکھے گئے ہیں، غلام احمد پرویز آیت نمبر ۳۴/ پارہ نمبر ۴ کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''مروجہ تراجم سب غلط ہیں کیونکہ یہ عربی تفسیروں کا ساہی مفہوم بیان کرتے ہیں''۔

عربی کی تفسیر میں بھی غلط ہیں کیونکہ وہ روایات کی تائید میں لکھی گئی ہیں اور روایات بھی سب غلط ہیں اگر یہ صحیح ہوتیں تو رسول اللہ کو چاہئے تھا کہ ایک مستند نسخہ امت کے حوالہ کر جاتے جیسا کہ قرآن حوالہ کر گئے تھے، لہذا اس آیت کا جو مفہوم یا تراجم یا تفسیریں خواہ کسی زبان کی ہوں اور یہ روایات جو پیش کرتی ہیں سب کچھ یکسر غلط ہے۔

اس فرقہ کی اسلامیات پر بہت سی کتابیں ہیں جنھوں نے سادہ لوح کم پڑھے لکھے اور عصری علوم کے حامل افراد کو اپنا شکار بنایا، اس فرقہ کا مرکز لاہور، پاکستان میں ہے، اور پہلے سے زیادہ اپنی سرگرمیوں میں مشغول ہے، علامہ اقبال نے ۱۹۳۸ء میں وفات پائی تو ان کی یادگار کے طور پر سید نذیر نیازی نے ایک ماہنامہ ''طلوع اسلام'' جاری کیا، تھوڑی ہی مدت بعد پرویز صاحب نے اس کی سرپرستی سنبھال لی اور تعلیمات اقبال کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ اس پرچہ کو اپنے افکار ونظریات کی نشر واشاعت کا ذریعہ بنالیا، ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان بنا تو یہ دہلی سے کراچی منتقل ہوگئے، پھر ۱۹۵۸ء میں اس ماہنامہ سمیت لاہور منتقل ہوگئے اور تاحیات اس کے ناظم رہے، سب سے زیادہ ان ہی کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں، جن میں قرآن کی تفسیر ''مفہوم القرآن'' اور ابلیس وآدم، معراج انسانیت، مطالب القرآن، تبویت القرآن، لغات القرآن وغیرہ شامل ہیں۔

اہل قرآن حضرات کی کتابوں پر گرفت کرنا آسان نہیں ہے اس کے لیے احادیث کا علم بہت ضروری ہے تاکہ یہ سمجھا جاسکے کہ کہاں پر قرآن کی تفسیر یا قرآن کا مفہوم احادیث کے خلاف ہے، موجودہ دور میں یہ فرقہ ''پرویزی گروپ'' کے نام سے مشہور ہے اور رسالہ ''طلوع اسلام'' آج بھی لاہور سے شائع ہورہا ہے اور لوگوں کو گمراہ کررہا ہے، اب جنوبی ہندوستان، خاص طور پر بنگلور وغیرہ میں اس فرقہ کی سرگرمیوں میں بڑی تیزی آگئی ہے، اس لیے علماء کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، قادیانیوں کی طرح یہ فرقہ بھی غیر مسلم ہے۔ ۞

نسیم ہدایت کے جھونکے

حقوق وفرائض کے اسلامی تصور نے
مجھے مشرف بہ اسلام کردیا

مسز جارجیا روزی کیمبرج یونیورسٹی، امریکہ

میں پیدائشی طور پر عیسائی ہوں لیکن اللہ نے مجھے ہدایت عطا کی، مسلم ممالک کا سفر کرنے کے بعد حق مجھ پر عیاں ہوگیا اور اب میں مکمل طور پر اسلام میں داخل ہوگئی ہوں۔

اسلام قبول کئے ہوئے مجھے دو سال ہی ہوئے ہیں لیکن میرے پاس روز آنہ خطوط آتے ہیں کہ میں نے اسلام میں ایسی کون سی خوبیاں پائی ہیں جو دوسرے مذہب میں نہیں ہیں، نیز یہ کہ اسلام دوسرے مذاہب سے کس طرح مختلف ہے، کیا میں اس بات کے لیے تیار ہوں کہ اپنے آبائی مذہب عیسائیت کی طرف واپس آؤں، عیسائیت ترک کر کے میں نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے، اس کی بھی وضاحت میں کرچکی ہوں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد میرا وہ عقیدہ کھوگیا جس کے مطابق خدا تین حصوں میں منقسم ہے، خدا نے مسیح کو دنیا میں بھیج کر اپنے تمام اختیارات تفویض کردیئے، مریم مسیح کی والدہ ہیں اور ایک پاک روح ہیں، خدا، مسیح اور مریم تینوں مل کر زمین وآسمان پر بادشاہت کرتے ہیں، ان کے باہمی فیصلوں سے یہ دنیا چلتی ہے، یہ عقیدہ ہر عیسائی کا ہے، چاہے وہ کیتھولک ہو یا پروٹسٹنٹ، میرا یہ باطل عقیدہ اسلام قبول کرنے کے بعد کھوگیا، لوگوں کو اپنا مقام کھونے پر افسوس ہوتا ہے لیکن مجھے بے حد خوشی ہے کہ میرا یہ عقیدہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس طرح گم ہوا کہ مجھے اس کی گمشدگی پر انتہائی خوشی ہے، میں اللہ سے اپنے گناہ کے لیے توبہ کی طالب ہوں کہ اس کی ذات پاک کے بارے میں غلط عقیدہ اختیار کئے رہی۔

دراصل میرا یہ عقیدہ اس لیے تھا کہ اسلام کی روشنی مجھ تک نہیں پہنچتی تھی، اگر دنیا کے سارے عیسائی تثلیث کے مسئلہ پر سوچیں اور اسلام کے توحید کے عقیدہ پر غور کریں تو ان کو محسوس ہوجائے گا کہ وہ غلطی پر ہیں، اسلام میں داخل ہوتے ہی جو دولت مجھے حاصل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ میں ایک خدائے واحد کی پرستار ہوگئی ہوں اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ میری قوت ارادی بڑھ گئی ہے، پہلے مجھے تین خداؤں کی خوشنودی کا خیال رکھنا پڑتا تھا لیکن اب ایک خدائے واحد کے آگے ہی میرے ہاتھ اٹھتے ہیں، شب وروز پانچ مرتبہ نماز ادا کرنے سے پہلے میرا تعلق ذات خداوندی سے مربوط ہوگیا ہے، اس سبب کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے اعمال درست ہونے لگے ہیں، مجھے لگتا ہے کہ میرا عمل خدا دیکھ رہا ہے، لیکن جب میں عیسائی تھی تو میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ تینوں خداؤں میں سے کون سا خدا میرے عمل کو دیکھ رہا ہے اور میں اپنے کس عمل کے لیے کس خدا کے سامنے جوابدہ ہوں، تثلیث کے نظریہ کے تحت میں کس خدا سے زیادہ عقیدت رکھوں اور کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں لیکن جب سے میں نے کلمہ شہادت پڑھ کر یہ جانا ہے کہ خدا ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اس وقت سے میری طبیعت مطمئن ہے اور مجھے اپنے قلب میں طمانیت کا احساس ہوتا ہے، میں نے عیسائی شریعت کھودی ہے اور اپنے اس زیاں پر مجھے مسرت ہے، وجہ یہ ہے کہ عیسائی شریعت میں چند مفروضات کے علاوہ اب کچھ بھی موجود نہیں ہے، زندگی کے مسائل ومعاملات سے عیسائی شریعت بیگانہ ہے، لیکن شریعت اسلامیہ مکمل

طور پر انسانی زندگی اور اس کے مختلف النوع مسائل کا احاطہ کرتی ہے اور اصول وضع کرتی ہے کہ مسلمان مردوں عورتوں کو زندگی بسر کرنے کے لیے کن ضابطوں کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ جس میں دعاؤں کا اہتمام کیا گیا ہے، ہر کام کے لیے دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے، حتیٰ کہ حوائج ضروریہ کے لیے بھی دعائیں موجود ہیں، ان سب کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک اسلام ایسا خیر کا مذہب بن گیا ہے جس میں دعاؤں کا تصور موجود ہے، اسلام کی شریعت میں ہر کام اللہ کا نام لے کر شروع کیا جاتا ہے جب کہ عیسائی مذہب میں یہ سوال باقی رہتا ہے کہ جب کوئی کام کیا جائے تو اس میں کس کا نام لیا جائے، خدا کا، مسیح کا، یا پھر مریم کا، اسلام کا اہم ترین کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مرد وزن کا نکاح وطلاق کے قوانین وضع کر دیئے ہیں جو دنیا کے کسی اور مذہب میں نظر نہیں آتے، نکاح کے بغیر مرد وعورت کا اختلاط نہیں ہوسکتا اور اگر کسی وجہ سے دونوں زندگی میں ایک ساتھ نہ رہ سکیں تو ان کو طلاق کا حق حاصل ہے، وہ اپنے اپنے راستوں پر واپس جاسکتے ہیں اور اپنا مستقبل طے کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، البتہ طلاق کی صورت میں مرد کو مہر کی وہ رقم ادا کرنی پڑے گی جو نکاح کے وقت طے کی گئی تھی لیکن مہر کی رقم کو طلاق سے وابستہ نہیں کیا ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ مہر کی رقم بیوی کو جلد سے جلد ادا کر دی جائے، یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ بیوی مہر کی رقم خوشی سے معاف کر دے، کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں مہر جیسی کوئی شرط مرد وزن کے درمیان رکھی گئی ہو، مہر کی صورت میں نہ رہنے کی وجہ سے عیسائیوں میں مرد وزن کے درمیان اختلافات زیادہ شدید رہتے ہیں اور ان میں علیحدگی ہوجاتی ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نظر آتا ہے کہ عیسائی معاشرہ میں جنسی انارکی زیادہ پھیلی ہوئی ہے، پوری مغربی دنیا میں جو جنسی انارکی پھیلی ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نباہ نہ ہونے کی صورت میں مرد وزن علیحدہ ہوجاتے ہیں اور حقوق کی ادائیگی کا کوئی تصور ان کو یکجا رکھنے میں معاون نہیں ہوتا۔

شریعت اسلامیہ کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ فرائض اور حقوق کو ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم بنادیا گیا ہے، مثلاً والدین کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کی پرورش اور اس کی نشوونما اس طرح کریں کہ وہ اپنے معاشرے کے بہترین افراد بنیں اور اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچائیں اسلام میں اولاد اسٹیٹ کی ملکیت نہیں جب کہ عیسائی معاشرہ بچوں کو اسٹیٹ کی ملکیت بتارہا ہے۔

عیسائی خود کو اولاد کی تربیت سے آزاد کر لیتے ہیں جب کہ اسلام تربیت کی ذمہ داری والدین پر عائد کرتا ہے اور اولاد پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اپنی والدین کا حکم مانیں، ان کی حکم عدولی نہ کریں اور جب وہ سن رسیدہ ہوجائیں تو اولاد ان کی خبر گیری کریں، ان کے ساتھ رحم کا سلوک کرنے کے لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ تاکید کی گئی ہے اس کے برعکس عیسائی معاشرہ میں ایسا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

ضعیف والدین اولاد کی عدم توجہ کی وجہ سے پریشان رہتے ہیں، اور بالآخر بوڑھے لوگوں کو بھی اسٹیٹ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے، جہاں وہ مایوسی کے عالم میں راہی ملک عدم ہوجاتے ہیں، میں ساری دنیا کو اس بات پر متوجہ کرنا اور بتلانا چاہتی ہوں کہ اسلام وہ پہلا اور آخری مذہب ہے جس نے پڑوسی پر حقوق کا تصور عطا کیا، ایک مسلمان کے لیے یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ شب وروز اپنے پڑوس میں رہنے والے لوگوں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھے، ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کی دل آزاری کا سبب نہ بنے، حتی الامکان دیکھا جائے کہ پڑوسی کسی پریشانی میں مبتلا تو نہیں ہے اور انہیں کس ضرورت کی وجہ سے پریشانی ہے، تو اس کی ضرورت پوری کرنے میں مدد کی جائے، جب کہ عیسائی شریعت میں پڑوسی کے حقوق کا کوئی تصور موجود نہیں ہے یہ ایک علیحدہ بات ہے، دوستی کے جذبہ اور انسانی ہمدردی کے تقاضوں کے بنیاد پر عیسائی مذہب میں شرعی طور پر کوئی ایسا حکم موجود نہیں ہے جس میں پڑوسیوں کے حقوق متعین کئے گئے ہوں اور ان کو حکم دیا گیا ہو کہ وہ ضابطوں کی پابندی کریں۔ ﴿بقیہ اگلے صفحہ ۲۸ ر پر﴾

یادرفتگاں

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودیؒ

کتابِ زندگی کے چند ورق

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

قدرت نے شاید وقت کی قسمت میں ٹھہرنا لکھا ہی نہیں، یہ بغیر رکے اور سانس لیے چلتا ہی رہتا ہے، اتنی تیزی کے ساتھ گزرتا ہے کہ دیکھنے کی مہلت نہیں دیتا کہ زندگی کی پٹری پر وقت کی ٹرین کس برق رفتاری کے ساتھ گزر گئی، ۲۶/اپریل ۲۰۰۸ء کو دیوبند اور علمی دنیا کی علمی و بلند شخصیت حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کی صورت میں عالم رنگ و بو سے پردہ کر گئی، بہرحال ایک سال کا یہ وقت پلک جھپکتے ہی گزر گیا، ان کی یادوں کے نہ تو چراغ بجھے، نہ سینوں سے ان کا نام مٹا، بلکہ اس ایک سال کے فصل نے ان کی کمی اور ضرورت کے احساس کو بڑھایا اور شدت اختیار کی یہ روایتی انداز کے کلمات نہیں بلکہ اس حقیقت کا اظہار ہے جو ہمارے سامنے کھڑی ہوئی ہے، جس کو ہم نظر انداز کر کے آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر سکتے اور جس سے نظریں چرا کر نکلنا ہمارے اختیار کی چیز نہیں۔

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی کہنے کو تو ایک شخص تھے مگر ان کی ذات میں علوم و کمالات، علم و فضل اور افکار و خیال کی جو دنیا آباد تھی، اس دنیا کو زیر نگیں بنانے اور قابو میں کرنے کے لیے جس حوصلے اور عزم کی ضرورت ہوتی ہے اور جو استقامت و استقلال مطلوب ہوتا ہے وہ حضرت شاہ صاحب کے مزاج اور فطرت کا حصہ تھا، جس دنیا کی ہم بات کر رہے ہیں اور جو دنیا شاہ صاحب نے بسائی تھی اس میں نصف صدی زائد سے ان کا خون جگر شامل تھا، راتوں کی بے آرامیاں، دن کی بے چینیاں، صبح کی تازگی اور شام کے رونقیں قربان کی گئی تھیں، ہر لمحہ کو اس طرح کشید کیا گیا تھا کہ وہ زندگی کے ماہ و سال میں ڈھل کر ایک نمونہ بن گیا، منزل کی جستجو اور جذبۂ صادق نے انہیں وہاں لا کھڑا کیا جس کی آرزو میں بہت سے لوگ ٹوٹ کر اور بکھر کر رہ گئے، شاہ صاحب پانچ سال کی عمر میں اپنے والد کے سایہ سے محروم ہوئے اور زندگی کے صحراء میں تنہا کھڑے رہ گئے مگر دماغ میں کچھ بننے کا سودا سمایا ہوا تھا اور سینے میں کچھ کر دکھانے کی آگ جل رہی تھی، اس آگ نے ان کے پورے وجود میں چنگاریاں سی بھر دیں اور یہ تب تک خاکستر نہ ہوئیں جب تک انہوں نے خود کو ثابت نہیں کر دیا، اپنے زمانۂ طالب علمی سے ہی وہ ذہین و فطین طلبہ میں شمار کئے جاتے تھے اور حافظ انہیں وراثت میں ملا تھا، ساتھ ہی محنت اور مطالعہ کے شوق نے طلبہ کے ہجوم میں بہت جلد ان کی شناخت قائم کر دی، اساتذہ کی محبت اور توجہ بھی انہیں حاصل ہوئی اور جیسا کہ ہوتا ہے کہ تعلیم کی لگن اور اپنے اوقات کے صحیح مصرف کے استعمال پر واقف طلبہ اساتذہ کی نگاہوں کا مرکز بن جاتے ہیں، یہی حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کے ساتھ بھی ہوا، دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کرنے کے کچھ وقفہ کے بعد ہی ان کی تدریسی زندگی کی شروعات ہوگئی یا یوں کہئے ان کی زندگی کے دوسرے پڑاؤ کا آغاز ہوگیا۔

۱۳۷۲ھ میں شاہ صاحب کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا، معاصرین کی رائے یہ ہے کہ شاہ صاحب نے بہت جلد اکابر اور طلبہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا، ان کا مخصوص انداز درس، گفتگو کا شیریں انداز، بیان کا

حسن، افہام وتفہیم کی جاذبیت اور طریقہ درس کی انفرادیت شہرت کی بلندیاں چھونے لگی، مطالعہ کے وہ ہمیشہ سے عادی تھے، کثرت مطالعہ نے ان کے علم کو خوب نکھارا اور مطالعہ کو خوب جلا اور وسعت بخشی، ماہ وسال کی گردش نے انہیں میزان، منشعب، پنج گنج جیسی ابتدائی کتابوں سے گزار کر قطبی، نورالایضاح، کنزالدقائق کے مرحلے میں داخل کردیا اور پھر وہاں سے ہدایہ، بیضاوی، جلالین اور متنبّی کی منزلوں سے گزرتے ہوئے طحاوی، ترمذی، مسلم، ابوداؤد کی حدود میں اپنی صلاحیت اور کمال کے کبھی نہ بجھنے والے چراغ جلائے، زندگی کے آخری بتیس سال بخاری جیسی عظیم الشان کتاب ان کے زیر درس رہی، دم واپسیں تک یہ سلسلہ چلتا رہا، ایک منزل کے بعد دوسری منزل اور ہر منزل پر اپنی موجودگی کے نشانات ثبت کرتے رہے، زمانۂ طویل تک مفسر کی حیثیت سے ان کا نام معتبر و مستند رہا، دارالعلوم کے زمانۂ تدریس میں مفسران کے نام کا جز تھا، خود بھی کہا کرتے تھے کہ تفسیر قرآن کریم میرا خاص میدان اور حدیث میرے ذوق اور تسکین کا سامان ہے، ان کے بے شمار تلامذہ اور شاگردان کے تدریسی کمالات امتیازات اور اختصاصات کا سرمایہ ہیں اور پوری دنیا میں ان کے شاگردوں کے ذریعہ علم دین کی جو روشنی پھیل رہی ہے وہ یقیناً حضرت شاہ صاحب کے لیے ذخیرۂ آخرت ہے۔

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی خطابت کی دنیا کا ایسا نام ہے جس کی رفعتوں کی رسائی کا جذبہ ہر دل میں موجزن ہے، ساٹھ برس کے عرصہ میں لاتعداد خطیب اور مقرر اسٹیج پر آئے، ان میں سے بہت سے زندگی کی شام ہونے سے پہلے بجھ گئے یا سانسوں کا رشتہ ٹوٹتے ہی بھلا دیئے گئے مگر شاہ صاحب جس لب ولہجہ، آہنگ اور زبان کے مالک تھے وہ کل بھی زندہ تھا اور آج بھی اس کی یادیں ان گنت دلوں میں باقی ہیں، خطابت اگر سحر کا نام ہے دوسروں کی قوت فکر کو جذب کر لینے کا ملکہ ہے تو لاریب شاہ صاحب خطابت کی دنیا کے ایک ایسے ساحر تھے جس کے اشاروں پر مجمع کی نبض حرکت کرتی ہے، خداوند عالم نے انہیں گویائی کی ایسی قوت اور تاثیر عطا کی تھی جو خال خال ہی دیکھنے میں آتی ہے، جوش وجذبہ سے بھرا ان کا بیان اور بجلی کی طرح کڑکتی ان کی آواز ہر ایک کو ان کی جانب متوجہ رکھتی اور جہاں وہ مجمع کو پہونچانا چاہتے انتہائی کامیابی کے ساتھ وہاں پہنچاتے، خطابت کے لیے اسٹیج سجتے رہیں گے، خطیب اپنی خطابت کے جلوے بھی دکھائیں گے مگر سب کی موجودگی کے باوجود شاہ صاحب سے محرومی کا احساس ختم نہ ہوگا۔

تدریس اور خطابت کے بعد جب ہم ان کے قلمی معرکوں، انشاء وادب کی خوبیوں، تحریر کی مقناطیسیت، اسلوب کی کشش اور ادائیگی کے حسن کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں تو رواں رواں بول اٹھتا ہے کہ اس جہاں میں بھی ان کی جامعیت اور انفرادیت بے مثل ہے شگفتہ اور دلکش تحریریں اور مضامین جن کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی انشاء کے خود ہی موجد تھے اور اس کا اختتام بھی ان ہی پر ہوا، علماء کی جماعت میں اتنی شستہ اور رواں نثر لکھنے والے کم ہیں اور جو ہیں ان کے یہاں کبھی ایسی رکاوٹ آجاتی ہے کہ طبیعت اچٹ جاتی ہے مگر شاہ صاحب کا قلم ہمیشہ ٹھاٹھیں مارتا رہا۔

دینی وملی درد ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، ان کی تحریریں اور تقریریں اور اقدامات اس کے گواہ ہیں، دنیا بھر میں انہوں نے دینی اجتماعات میں شرکت کی، مختلف تنظیموں اور جماعتوں کے پلیٹ فارم سے اتحاد کا پیغام دیا پھر خود مذہبی، دینی، سماجی اور سیاسی رہنمائی کے لیے تنظیم علماء ہند کی داغ بیل ڈالی جس کی بنیادی سوچ اور فکر یہ تھی کہ ہندوستانی مسلمان جہاں دینی ومذہبی رہنمائی کے ضرورت مند ہیں وہیں سیاسی اور سماجی راستوں کے تعین کے لیے بھی ان کی رہبری لازمی ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں ہندوستان کے مختلف شہروں اور مقامات کا وقفے وقفے سے دورہ کیا اور تنظیم کے کام اور مقصد سے روشناس کرایا، خاطر خواہ کامیابی ملی اور تنظیم نے مختلف سمتوں اور جہتوں میں قابل قدر خدمت انجام دی۔

دارالعلوم وقف دیوبند کو اپنا لہو دیا، توانائیاں بخشیں، اسفار کئے، مال فراہمی میں رات دن صرف کئے، اس کے قیام پھر جگہ کی خریداری اور تعمیرات کے لیے محنت وجدوجہد کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا، دارالعلوم کے درودیوار اور بام وسقف حضرت شاہ صاحب کے احسانات سے گراں بار اور جذبات ممنونیت سے سرشار ہیں، دوسری طرف انہوں نے ''جامعہ امام محمد انور'' کی بنیاد رکھی اور آج یہ ادارہ تعلیمی دنیا کا ایک معتبر ادارہ ہے اور شاہ صاحب کے اخلاص وعمل کی تاج محل کی صورت میں مرکز نگاہ ہے۔

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی نور اللہ مرقدہ پر لکھنے کو تو بہت کچھ ہے اور بہت سے گوشے ہیں جنہیں سامنے لا کر ان کی ہفت رنگ زندگی کے نقوش کو ابھارا جا سکتا ہے، مگر ان سب چیزوں کے لیے وقت درکار ہے اور فکر کی سواقوتیں بھی، بہر حال وہ عالم باکمال، محدث باجمال، خطیب بے مثال، بلند پایہ انشاء پرداز، ممتاز قلمکار اور بالغ نظر صحافی تھے، قیادت وسیادت کی تمام خصوصیات آپ کی ذات میں سمائی ہوئی تھیں، بلند اخلاقی، بلند کرداری اور بلند خیالی کے خمیر سے آپ کی شخصیت کی تعمیر ہوئی تھی، آپ کی زندگی کا ہر گوشہ ایسے ہی حسین اور خوبصورت عنوانات سے مزین ہے۔

❁❁❁❁❁

﴿بقیہ پچھلا صفحہ ۲۵ر کا﴾ مجھے اسلام کے طریقے عبادت نے بھی متاثر کیا ہے، دنیا کے تمام مسلمان مرد وعورتیں ایک ہی طرح نماز ادا کرتے ہیں جس طرح مشرق میں مسلمان نماز ادا کرتے ہیں، اسی طرح مغرب کے مسلمان نماز ادا کرتے ہیں، مسلمانوں کی زبانیں اور ان کے ملک مختلف ہوسکتے ہیں لیکن ان کی نماز مختلف نہیں ہوسکتی، اسی طرح روئے زمین پر قرآن مجید ایک ہی ہے، جو ہر جگہ عربی میں ہی پڑھا جاتا ہے، البتہ اس کے تراجم ہر زبان میں موجود ہیں، لیکن عیسائیوں کی دعا کے طریقے بھی علیحدہ ہیں۔

کسی ملک کے گرجا گھروں میں لوگ دعا کے دوران دوزانو ہوتے ہیں، تو کہیں صرف کھڑے رہتے ہیں اور ساری دنیا جانتی ہے کہ اصل بائبل اب موجود نہیں ہے بلکہ ہر مکتب فکر کے لوگوں کے پاس ان کے اپنے عقیدے کی بائبل موجود ہے، اسلامی قوانین کا کمال یہ ہے کہ یہ وقتی نہیں بلکہ دائمی ہیں، اسلام کے مبعوث ہونے سے لے کر قیامت تک اسلام کی قوانین اسی طرح کارگر رہیں گے، جیسا کہ روز اول سے تھے، پیدائش سے لے کر موت تک کے قوانین عطا کرنے والا مذہب صرف اسلام ہے۔

دنیا اسلام جیسے مذہب کی کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتی، بس میں اتنا کہہ سکتی ہوں کہ اسلام قبول کر کے میں نے دین ودنیا کی تمام سعادتیں حاصل کر لی ہیں، لیکن یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ میں نے جو کچھ کھویا اس پر مجھے مسرت ہے۔ (ندائے صدیق رائے بریلی)

❁❁❁❁❁

قلم کار حضرات متوجہ ہوں!

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لیے اپنے دینی، اصلاحی، ادبی، دعوتی، تاریخی اور تحقیقی مضامین ارسال فرما کر اس دعوتی مشن کو آگے بڑھانے میں ہمارا تعاون کریں۔

❁ مضامین خوشخط، صاف اور کاغذ کے صرف ایک طرف ہی تحریر فرمائیں۔

❁ مضامین ارسال کرتے وقت رسالہ کے معیار اور علمی ذوق کا خاص لحاظ رکھیں۔

❁ شائع شدہ مضامین شامل اشاعت نہیں ہوں گے۔

❁ ناقابل اشاعت ہونے کی صورت میں مضامین واپس نہیں کیے جائیں گے۔

❁ مضامین بغیر حوالہ کے معتبر نہیں ہوں گے۔

نیز نقوش اسلام کے اندر شامل مضامین میں قلمکار حضرات جو رائے پیش کرتے ہیں، وہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے، اس سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

درس اتحاد

چوتھی اور آخری قسط

اختلاف امت اور اتحاد کی سبیل

مولانا مفتی رحمت اللہ ندوی نیپالی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اختلاف کے آداب:

یہ ذکر پہلے آچکا ہے کہ اختلاف رائے ایک طبعی وفطری امر ہے جو ناگزیر ہے، بذات خود اختلاف مذموم نہیں، بلکہ اگر یہ اختلاف اپنے حدود وقیود اور آداب وشروط کے دائرہ میں رہ کر ہو، اخلاص پر مبنی ہو اور اس کا مقصد اللہ کی خوشنودی کا حصول ہو تو یہ محمود اور قابل تعریف ہے نہ کہ مذموم اور ناپسندیدہ، البتہ یہ ضروری ہے کہ اختلاف رائے کے اظہار میں عدل ہو، اعتدال ہو اور دوسری رائے کا احترام ہو، منصوص اور غیر منصوص امور میں فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہو، کم علمی، تنگ نظری اور اپنی رائے پر اصرار سے گریز اور افراط وتفریط سے اجتناب کیا گیا ہو، اسی کے ساتھ متفقہ مسائل میں ایک دوسرے کا تعاون اور مختلف فیہ مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ مکالمہ ہو، اختلاف سے دلوں میں پھوٹ نہ پڑے اور نہ اسے مخالفت اور تفرقے کا ذریعہ بنایا جائے، اپنے خلاف رائے کے حامل کو نہ باطل پر سمجھا جائے اور نہ اس سے سوء ظن رکھا جائے بلکہ اسے معذور اور ماجور تصور کیا جائے اور اس حدیث کو پیش نظر رکھا جائے "إن أصاب فله أجران وإن أخطأ فله أجر"۔ (ترمذی جلد ا/صفحہ ۲۴۷)

اس اجمالی آداب کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین میں رونما ہونے والے اختلاف اور اس کے آداب پر اختصار سے روشنی ڈال دی جائے تاکہ ہمیں ان آداب سے رہنمائی حاصل کرنے میں سہولت ہو اور اختلاف کے وقت وہ آداب ملحوظ خاطر اور پیش نظر رہیں۔

عصر نبوت میں آداب اختلاف کے چند نقوش:

عہد نبوی میں پیش آنے والے اختلافات سے مستفاد ہونے والے آداب کی جھلکیاں حسب ذیل ہیں:

۱-صحابہ کرام کی حتی الوسع کوشش ہوتی کہ اختلاف نہ ہو، چنانچہ وہ مسائل اور تفریعات کو بڑھاتے نہ تھے بلکہ پیش آمدہ مسائل ومشکلات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی وطریقہ کے سایہ میں حل ڈھونڈھتے اور راہ تلاش کرتے، یہ حقیقی حل مجادلہ ومباحثہ سے زیادہ کا موقع نہ دیتا چہ جائیکہ تنازع اور شقاق کی نوبت آئے۔

۲-اختلاف سے گریز اور کوشش کے باوجود اگر اختلاف ہوجاتا تو مختلف فیہ امر کو کتاب وسنت کی طرف لوٹانے میں جلدی کرتے تاکہ جلد از جلد اختلاف رفع ہوسکے۔

۳-وہ اللہ ورسول کے حکم کے سامنے جلد سر تسلیم خم کرکے مکمل خود سپردگی اختیار کرلیتے۔

۴-بہت سے وہ امور جن میں تاویل کا احتمال ہے اختلاف کرنے والوں کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویب اور ان میں سے ہر ایک کا یہ احساس کہ اس کا بھائی جس رائے کا حامل ہے وہ بھی میری رائے کی طرح احتمال صواب رکھتی ہے، یہ احساس اختلاف کرنے والوں میں سے ہر ایک کو اپنے بھائی کے احترام پر آمادہ کرتا تھا اور رائے میں تعصب سے دور رکھتا تھا۔

۵-تقوی کا التزام اور اتباع ہوی سے اجتناب جس کا اثر یہ تھا کہ وہ صرف تنہا حقیقت ہی کو مختلفین کا مقصد بناتے تھے، ان دونوں مختلف

گروہوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو اپنی زبانی یا کسی دوسرے کی زبانی اظہار حقیقت پر آمادہ نہیں کرتا تھا۔

۶- آداب اسلام کا التزام کرتے ہوئے اچھی گفتگو اور ایک دوسرے کی بات کو اچھی طرح سنتے، جارحانہ الفاظ وکلمات اور دل آزاری سے پرہیز کرتے۔

۷- بحث ومباحثہ اور مناظرہ ومجادلہ سے حتی الامکان اعراض کرتے اور اپنی پوری فکری قوت وکوشش کو موضوع بحث میں صرف کرتے جو کوشش ہر ایک کی رائے کے لیے سنجیدہ اور احترام بخش ہوتی اور مخالف اس کے قبول کرنے یا اس سے بہتر رائے پیش کرنے پر آمادہ کرتی۔

عهد صحابه آداب اختلاف کے آئینه میں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے بہت سے امور ومسائل میں اختلاف کیا ہے اور جب یہ اختلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وقوع پذیر ہو چکا ہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ آپ کی وفات کے بعد اختلاف نہ کرتے، چنانچہ انہوں نے عملاً اختلاف کئے لیکن اس کے چند اسباب وجوہ اور کچھ آداب تھے اور جن امور میں ان کا اختلاف ہوا تھا وہ غیر معمولی اور بڑے اہم تھے مثلاً:

۱-حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں اختلاف، چنانچہ حضرت عمرؓ کو اس پر اصرار تھا کہ آپ کی وفات نہیں ہوئی بلکہ اس کو انہوں نے منافقین کی شورش اور فتنہ انگیزی سمجھا اور دھمکی دی کہ جو یہ کہے گا اس کی گردن اڑا دوں گا، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے آیت کریمہ "و مامحمد الارسول الخ" پڑھی تب انھیں یقین آیا۔

۲-حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جائے دفن کے بارے میں اختلاف کسی نے کہا ہم مسجد میں دفن کریں گے اور کسی نے کہا صحابہ کے ساتھ عام قبرستان میں دفن کریں گے، بالآخر جب حضرت ابوبکرؓ نے انہیں یہ حدیث "ماقبض نبی الادفن حیث یقبض" سنائی تو اختلاف ختم ہوگیا۔

۳-خلافت کے بارے میں اختلاف ہوا اور بالآخر یہ اختلاف ختم ہوا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفۂ رسول منتخب ہوئے۔

۴- مانعین زکوۃ سے قتال کے بارے میں اختلاف، جو حضرت ابوبکرؓ کے عزم مصمم سے ختم ہوا۔

۵-اسی طرح فقہی مسائل میں بھی ان میں اختلاف ہوا۔ (ملاحظہ ہو ادب الاختلاف صفحہ ۶۳ تا ۶۹)

خلافت راشده کے عهد میں اختلاف کے چند امتیازی پهلو:

ہم اس مقالہ کو طویل نہ دیتے ہوئے خلافت راشدہ کے دور میں رونما ہونے والے اختلاف کے آداب پر مختصر اظہار خیال کرتے ہوئے اس کے چند نمایاں وامتیازی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے ختم کرتے ہیں۔

(۱) صحابہ حتی الوسع اختلاف سے دور بھاگتے تھے اور ان کی پوری خواہش یہ ہوتی کہ اختلاف نہ ہو۔

(۲) اور جب اختلاف کے اسباب پائے جاتے تو وہ حدود کے پاس ٹھہرنے اور حق کو قبول کرنے میں سرعت کرتے اور اپنی غلطی کا اعتراف بغیر کسی احساس ذلت کے کرتے اور اہل علم وفضل اور اصحاب فقہ کا غایت درجہ احترام کرتے۔

(۳) اسلامی اخوت کو قائم اور باقی رکھتے جو اسلام کا ایک اہم اصول ہے اور اس کے بغیر اسلام کا قیام ان کے نزدیک متصور نہ تھا اور اس اخوت کی پاسداری ان کے یہاں اجتہادی مسائل میں اختلاف واتفاق سے بڑھ کر تھی۔

(۴) اعتقادی مسائل میں کوئی اختلاف نہ تھا اور فروعی مسائل میں اختلاف حد سے آگے نہ بڑھتا تھا۔

(۵) صحابہ کرام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت سے پہلے تک مدینہ منورہ میں محدود تھے ان میں تھوڑے مکہ مکرمہ میں تھے، اور جہاد وتبلیغ وغیرہ کے لیے ہی وطن چھوڑتے اور پھر لوٹ آتے، اس لیے ان کا اجتماع آسان تھا اور بہت سے امور میں ان کا اجماع ثابت ہوتا، بعد میں یہ صورت حال باقی نہ رہی۔

(۶) قراء اور فقہاء اس دور میں سیاسی قیادتوں کی طرح غالب اور

نمایاں تھے اور ہر ایک کا مقام ومرتبہ مشہور وبلند تھا جس میں کسی کو اختلاف نہ تھا، جس طرح ہر ایک کو اس کے اپنے فقہی پہلو پر شہرت حاصل تھی جس میں وہ طریقۂ استنباط اور منہج کی وضاحت کے ساتھ اتقان رکھتا تھا اور مناہج وطرق استنباط پر تقریباً ان کا اتفاق تھا۔

۷-بعض کا بعض پر استدراکات میں تعاون کا نظریہ تھا اور اسی تعاون کے جذبہ اور نظریہ سے استدراک کرنے والا اسے اپنے بھائی کے سامنے پیش کرتا، نہ یہ کوئی عیب کی بات تھی اور نہ ہی تنقید۔

عهد تابعین میں اختلاف اوراس کے آداب:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاسی حکمت عملی یہ تھی کہ صحابہ (مہاجرین وانصار) مدینہ سے باہر قیام نہ کریں، اس لیے وہ ہمیشہ مدینہ سے باہر غزوہ یا تعلیم یا ولایت یا قضاء یا دیگر اہم امور کے علاوہ نہیں جاتے، اور مدینہ ان کی قیام گاہ اور مستقر رہا اور مدینہ دار الخلافۃ اور پایۂ تخت رہا، صحابہ پیغام اسلام کے حاملین اور اس کے سرخیل رہے، لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے آزادی دے دی کہ صحابہ میں جو مدینہ چھوڑ کر دار الاسلام میں کہیں اپنا وطن بنانا چاہیں وہ ایسا کرسکتا ہے کوئی مضائقہ نہیں۔

چنانچہ صحابہ اوران کے قراء مفتوحہ شہروں اور ملکوں میں بکھر گئے اور دونوں شہروں (کوفہ اور بصرہ) میں تین سو سے زائد صحابہ کرام سکونت پذیر ہوگئے، جب کہ ان میں سے ایک تعداد مصر اور شام میں مقیم ہوگئی۔

منقول ہے کہ حنین سے واپسی کے بعد حضور نے مدینہ میں بارہ ہزار صحابہ کرام چھوڑے تھے اور آپ کی وفات تک ان میں سے مدینہ میں دس ہزار رہ گئے اور دو ہزار مختلف شہروں میں پھیل گئے، صحابہ کرام کے بعد ان کے علم وفقہ کے حامل تابعین ہوئے جیسے سعید بن مسیّب جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بڑے راوی اور مدینہ میں ان کی فقہ کے حامل سمجھے جاتے ہیں، عطاء بن رباح مکہ میں، طاؤس یمن میں، یحییٰ بن ابی کثیر یمامہ میں، حسن بصرہ میں اور مکحول شام میں، عطاء خراسان میں اور علقمہ کوفہ میں۔

یہ حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں فتوی واجتہاد کی بہت مشق کرتے تھے، صحابہ کرام کے ہاتھوں کے تربیت پاتے اور ان سے آداب سیکھتے اور استنباط میں ان کے مناہج سے متأثر ہوتے، اس لیے یہ آپسی اختلاف کے وقت صحابہ کرام کے آداب اختلاف کے دائرہ سے باہر نہیں ہوئے اور نہ ان کی سیرت وکردار کو چھوڑا اور نہ اس سے آگے بڑھے، یہ وہ فقہاء جمہور ہیں جن سے پوری امت متأثر ہے اوران سے فقہ حاصل کی ہے۔

علامہ شعرانی اپنی کتاب ''المیزان'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ عزیز من اگر تو بنظر انصاف دیکھے گا تو یہ حقیقت واضح اور منکشف ہوجاوے گی کہ ائمہ اربعہ اوران کے مقلد سب کے سب طریق ہدایت پر ہیں اور اس کے بعد کسی امام کے کسی مقلد پر بھی اعتراض کا خیال نہیں ہوگا اس لیے کہ امر ذہن نشین ہوجائے گا کہ ائمہ اربعہ کے مسالک شریعت مطہرہ میں اوران کے مختلف اقوال امت کے لیے رحمت ہوکر نازل ہوئے، حق تعالی شانہ جو علیم وحکیم ہیں ان کی مصلحت اسی امر کو مقتضی تھی حق سبحانہ تعالی اگر اس کو پسند نہ فرماتے تو اس کو بھی اسی طرح حرام قرار دیتے جس طرح کہ اصل دین میں اختلاف کو ممنوع قرار دیا۔

عزیز من، مبادا تجھ پر یہ امر مشتبہ ہوجائے تو ائمہ کے فرعی اختلاف کو اصولی اختلاف کے مشابہ اوراس کے حکم میں سمجھنے لگے جس کی وجہ سے تیرا قدم میدان ہلاکت میں پڑ جاوے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے لیے اختلاف فرعی کو رحمت قرار دیا ہے۔

موجودہ عالمی تناظر میں مسلمانوں کو اس کی سخت ضرورت ہے کہ اختلاف رائے کو اس کے حدود میں رکھیں، آداب واصول کا پورا خیال رکھیں، اللہ کے لیے اسے مخالفت، عداوت، شخصی یا جماعتی مفاد، بغض وعناد اور اپنی ناک اونچی رکھنے اور دوسرے فریق کو زیر کرنے کا مسئلہ نہ بنائیں اور ایک اہم بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے دائرہ اور اپنی اپنی حدوں میں رہنے کی کوشش کرے، امید ہے کہ فاصلے سمٹ جائیں گے اور اختلاف رفع ہوجائے گا۔

جائزہ

مشرق وسطی کا ایک دردانگیز افسانہ

محمد عارف راجستھانی، جامعہ ملیہ دہلی

یہودی قوم آج جس سرزمین کو اپنے مذموم مقصد کی تکمیل کے لئے اپنے جارحانہ عزائم سے معصوم اور بے گناہ انسانوں کو تہہ تیغ کر رہی ہے اس سے پہلے بھی یہ مقدس سرزمین جو انبیاء کا مسکن رہی ہے اور یہاں سے نسل انسانی کی رہبری کے لئے ہدایت کے چشمہ پھوٹے، کئی مرتبہ تباہ و برباد ہو چکی ہے، بلکہ اس سرزمین پر ایک دور ایسا بھی گزرا ہے کہ وقت کے ظالم و جابر حکمرانوں نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اس کو چٹیل میدان میں تبدیل کر دیا، لاکھوں سے زائد بے گناہ انسان اس میں پیوند خاک ہو چکے ہیں، آج پھر ارض مقدس اپنی ماضی کی تاریخ دہرا رہی ہے اور یہودی قوم جن کے عتاب کا شکار آج یہ سرزمین بنی ہوئی ہے اور ان لوگوں نے اپنے ظلم و بربریت اور سفاکانہ حرکت سے ماضی کے ان تمام ظالم و جابر بادشاہوں کے ظلم وستم کو پیچھے چھوڑ کر تاریخ میں ایک سیاہ باب کا اضافہ کیا اور ظلم و استبداد کی ایسی تاریخ رقم کی جسے قیامت تک نہیں بھلایا جاسکتا، آج جس طرح غزہ میں نہتے مسلمانوں کو محصور کر کے ان پر آگ برسائی جارہی ہے اور وہاں کے لوگوں کو غذا اور ضروری اشیاء سے محروم کر کے ان کی مشکلوں کو مزید طول دیا جارہا ہے اور ہر وہ طریقہ اغیار کی طرف سے وہاں کے بے گناہ مسلمانوں پر اپنایا جارہا ہے جو انسانیت کو شرمسار کر دے اور اب حالات اس قدر نازک ہو چکے ہیں کہ غزہ کی سرزمین ان لوگوں کے لئے جو وہاں محصور ہیں ہر دن ایک نئی مصیبت لے کر نمودار ہو رہی ہے، جبکہ آج جو صورت حال غزہ اور اس فلسطین کی ہمارے سامنے ہے بالکل یہی صورت حال اس سرزمین پر ان یہودیوں پر گزر چکی ہے لیکن یہ قوم جس کو حضرت عیسٰی نے ''سانپ اور سانپوں کے بچے بتایا تھا'' ماضی کے ان تمام واقعات کو بھول گئی جس کا مزہ وہ اہل روم اور دنیا کے دوسرے جابر حکمرانوں کے ذریعہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ متعدد بار چکھ چکی ہے، یہی ہولناک محاصرہ جو غزہ میں یہودیوں کی طرف سے سالوں سے جاری ہے اسی طرح رومیوں نے ان کا محاصرہ کیا تھا جو تاریخ کے صفحات میں موجود ہے۔

جس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں ''رومی فوج نے شہر کے قریب پہنچ کر اپنا قاصد بھیجا اور باشندگان شہر سے کہا، کہ شہر حوالہ کر دیں مگر وہ بیت المقدس کے مستحکم حصار اور آہنی عمارت جنگ کی طرف سے مطمئن تھے، انہوں نے تسلیم شہر سے انکار کر دیا، اب رومی فوج کے لئے محاصرہ ناگزیر تھا، تیس ہزار آہنی پوش فوج نے چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا بیت المقدس اس وقت نہایت ہی محفوظ تھا یکے بعد دیگر تین نہایت ہی مستحکم شہر پناہ تھیں اور ان کے باہمی فاصلے مدافعت کے آلات اور اسباب جنگ کے لئے نہایت ہی مضبوط عمارتیں رکھیں تھیں، طیطس نے اپنی فوج کے چار حصّہ کر دئے اور وہاں کے تمام درخت اکھڑوا ڈالے گئے تھے تاکہ فوجی نقل و حرکت میں مانع نہ ہوں، اطراف شہر کی سرسبزی کا اسوقت یہ حال تھا کہ یہ تمام قطعات طرح طرح کے شاداب درختوں کی کثرت سے جنت ارض کا منظر معلوم ہوتے تھے اور اس کے بعد ایک ایسے مقام پر رومی فوج خیمہ زن ہوگئی جہاں سے چند برج تعمیر کئے گئے اور ان میں بیٹھ کر بیت المقدس پر جنگی گولے برسانے شروع کر دئے''۔

یہ وہی بیت المقدس تھا جس کو خدائے ذوالجلال نے اپنی رحمت وبرکت کا نشیمن بنایا تھا، بنی اسرائیل کی عظمت وجبروت کے سیلاب اس کی شہر پناہ سے نکلتے تھے اور دنیا کی بڑی بڑی عظیم الشان سرزمینوں کو اوران کے بسنے والوں کو بہالے جاتے تھے مگرانہوں نے اس پیمان عہد کوتوڑ دیا جو مصر کی غلامی سے نجات پانے کے بعد خداوند قدوس سے سینا کے پہاڑ باندھا تھا، جب وہ طرح طرح کی بداعمالیوں اور فسق وفساد میں مبتلا ہو گئے تو رحمت الٰہی ان سے روٹھ گئی اور اس نے اپنی برکت کی جگہ اپنے قہر وغضب کو بھیج دیا، خدا کا اس دنیا میں سب سے بڑا قہر یہ ہے کہ وہ کسی قوم سے حکومت وفرماں روائی چھین کر اور غیر قوموں کی غلامی ومحکومی کی زنجیریں اس کے پاؤں میں ڈالدے، پس یہودیوں کے لئے اب دنیا میں اس سزا کے سوا کچھ نہ تھا، بدبخت نے فوج کشی اور بابل کی قید کے بعد عزیر علیہ السلام کی آہ وزاری نے ان کی سزا کی مہلت بڑھا دی تھی پر انہوں نے اسی فرصت سے فائدہ نہ اٹھایا، اس لئے ضروری تھا کہ آخری غضب الٰہی کسی جابر قوم کے استبداد وتسلط کی شکل میں ظاہر ہوا اور اب وہ جب کسی قوم سے روٹھتا ہے تو اس کی عادت ہے کہ اپنی کسی جابر مخلوق کو اس پر مسلط کر دیتا ہے پھر وہ اس کے تحت حکومت کو الٹ دیتی ہے، غلامی ومحکومی کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں ڈال دیتی ہے، اور عزت ملی اور شرف قومی کی روح اس کے اندر سے کھینچ لیتی ہے، رومیوں کا یہ حملہ یہودیوں کے لئے اسی سلسلہ غضب الٰہی کی آخری سزا تھی جس کے بعد بنی اسرائیل کی عظمت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا، یہ قوموں کے اعمال کے قدرتی نتائج ہیں جس بیت المقدس پر ملائکہ الٰہی رحمت وبرکت کے پھول چڑھاتے تھے آج حملہ آوروں کے برجوں سے اس پر پتھروں کے گولوں کی بارش ہورہی ہے، یہودی اب نہایت مضطرب ہوئی کیوں کہ رومیوں کی تاب نہ لا کر محصورین کے دل بیٹھ گئے اوران کی ہمتوں نے جواب دیدیا کیونکہ رومی فوج نے محصورین پر اس قدر گولہ باری کی کہ یہودی بالکل مایوس ہوکر پیچھے ہٹ آئے، وہ برابر ہلاکت اور بربادی پھیلاتے رہے اور آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ آخری شہر پناہ میں شگاف پڑ گئے، اس سے بڑھ کر مصیبت عظمٰی یہ تھی آتش انگیز روغن کی بارش نے مقدس ہیکل کی دیواروں تک پہنچنا شروع کر دیا تھا، بدبخت یہودیوں نے ہر چند کوشش کی مگر اپنی ہزار سالہ عظمت کو نہ بچا سکے اور عروج وزوال امم کے قانون الٰہی کے نفاذ کو کوئی انسانی سعی روک نہ سکی، ایک دن صبح کو یہودیوں نے دیکھا کہ رومی لشکر عظیم قتل وغارت کے ہتھیار ہاتھوں میں لئے آخری شہر پناہ سے اندر داخل ہورہا ہے، پھر وہ سب کچھ ہوا جو اس کے بعد ہونا تھا اس قتل وغارت کا کون اندازہ کرسکتا ہے جو کئی دن تک اسی قیدی شہر میں جاری رہا عورتوں اور بچوں کو خونخوار فاتحین کی تلوار سے امان نہ تھی عمارتیں جل رہی تھیں اور دیواریں زمین کے برابر ہوگئی تھیں جو بچ رہے تھے وہ قیدی بنائے گئے اور جو بھاگ گئے انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزار سالہ گھر کی نسبت کوئی اچھی خبر نہیں سنی۔

عروج وزوال جوارض مقدس کا دردانگیز ہے اپنے ماضی کے تمام ارتقاء وانحطاط کے مرحلوں سے گذر کر ارض مقدس خلیفہ ثانی حضرت عمر کے دور خلافت میں مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا تھا اسی وقت سے لیکر سوائے صلیبی جنگ کے مختصر دور کے عربوں کا اس پر تسلط رہا تیرہ سو سال کی یہ طویل مدت انسانی فکر ونظر کے اعتبار سے فلسطین کے لئے سنہرا دور تھا گیارھوی صدی کے آخر میں سلجوقی ترکوں نے اس کو عربوں سے چھینا اور یروشلم پر قابض ہونے کے بعد طابوت سکینہ کو انہوں نے کافی نقصان پہنچایا جس کی وجہ سے عیسائیوں کے اندر انتقام کی آگ بھڑکی اور صلیبی جنگوں کے ذریعہ سے دوبارہ پھر ترکوں سے چھینا اور یروشلم پر مسلط ہو گئے، دوران جنگ اس خونی معرکہ کی وجہ سے یروشلم کی گلیوں میں اس قدر کشت وخوں ہوا کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے خون کے چھینٹے اڑ اڑ کر سواروں پر پڑتے تھے، اس جنگ نے ماضی کی طرح فلسطین کی تاریخ میں نئے باب کا آغاز کیا جب ان کے ظلم حد سے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ کی مشیت جوش میں آئی اور ظالموں کو سرنگوں کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو پیدا کیا، سلطان صلاح الدین

ایوبی کی ذات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معجزہ اور اسلامی صداقت واضح دلیل تھی، سب سے پہلے سلطان نے صلیبیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کی منتشر جماعت کو ایک جگہ جمع کیا پھر ان صلیبیوں کا متحد ہو کر مقابلہ کیا اور ایک طویل جنگ کے بعد بیت المقدس کو ان کے ناپاک پنجوں سے نجات دلائی اور ۲۴ ربیع الآخر ۱۱۸۷ء بروز پیر کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو فتح کر کے امت مسلمہ پر ایسا احسان کیا جسے وہ قیامت تک نہیں بھلا سکتی۔

غرض اس طرح سلطان نے اس مغلوب ومفتوح شہر پر اپنا احسان کیا جب ہم سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو شروع کے صلیبیوں نے ایک ۱۰۹۹ء میں یروشلم کی فتح پر کی تھی جب گوڑ جرے یروشلم کے کوچے وبازار میں سے گذرے تھے تو وہاں مردے اور جاں بلب زخمی لوٹتے تھے، جب ان بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو ان صلیبیوں نے سخت ازیتیں دے کر مارا تھا اور زندہ آدمیوں کو جلایا تھا جہاں قدس کی چھتوں پر اور برجوں پر جو مسلمان پناہ لینے کے لئے چڑھتے تھے وہی ان صلیبیوں نے انہیں اپنے تیروں سے چھید کر گرایا تھا اور جہاں ان کے اس قتل عام نے مسیح دنیا کی عزت کو بٹہ لگایا تھا جب کہ یہ وہی جگہ ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رحم ومحبت کا واعظ کہا تھا اور فرمایا تھا رحم ومحبت والے ہیں وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں ان پر خدا کی برکتیں نازل ہوتی ہیں جس وقت یروشلم میں عیسائی اس پاک مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کر کے مذبح بنا رہے تھے تو اس وقت یہ ان کے کلام کو بھول گئے اور ان بے رحم صلیبیوں کی نیک بختی اور خوش قسمتی تھی جب ان پر سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں رحم وکرم ہو رہا تھا چونکہ رحم صفات خداوندی میں سب سے بڑھ کر صفت ہے رحم عدل کا تاج ہے اور اس کا جلال ہے جہاں عدل اپنے اختیارات واستحقاق سے جان سے مار سکتا ہے تو رحم جان بچا سکتا ہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت)

ان مذکورہ تاریخی واقعات سے اندازا لگانا مشکل نہیں اور اس کے علاوہ بھی اور بہت سے حساس واقعات ہیں جو آرائش صفحات تاریخ میں موجود ہیں لیکن یہ قوم جس کے اندر احسان فراموشی ظلم وعصیان ماضی کے واقعات پر غفلت وعطالت اور نسیان دوسری قوموں کے مقابلہ زیادہ ہی پایا جاتا ہے اور آج اسی کا یہ قوم فلسطین میں مظاہرہ کر رہی ہے اور ان یہودیوں نے ماضی کے تمام حساس واقعات کو بھلا کر ایک مرتبہ پھر فلسطین میں نسل کشی اور حیوانیت کا ایسا ننگا ناچ ناچا جس سے پوری انسانیت سکتے میں پڑ گئی اور ابھی بھی ان کے ظلم وبربریت کے داستان جاری ہے اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مزید بڑھتی جا رہی ہے لیکن ابھی تک ان آتش انتقام ٹھنڈی نہیں ہو پائی، واقعہ یہ ہے کہ کمزور اور نہتے مسلمانوں پر دشت وبربریت کے وہ تمام اصناف جو موجودہ دور میں ایجاد ہو چکے ہیں ایک ایک کر کے آزمائے جا رہے ہیں جبکہ دنیا کے تمام امن پسند لوگ ان کے خلاف احتجاج ومظاہرہ کر رہے ہیں لیکن ان درندوں نے نہ کبھی پہلے دنیا کی اس چیخ وپکار پر عمل کیا اور نہ اب امید کی جا سکتی ہے کیونکہ انھوں نے اپنی باب سماعت کو مسدود کر لیا لیکن بہر حال جلسے اور احتجاجی مظاہرے یہ جمہوری حق ہے ظلم اور ظالموں کے خلاف لیکن اس قوم کے لئے جس کے اندر ضمیر ہو لیکن جن کا ضمیر مردہ ہو چکا ہو اور انسانیت کی محبت اور ہمدردی ان کے دل ودماغ سے نکل چکی ہو تو ان کے سامنے احتجاجی مظاہرے بے کار ہیں۔

جبکہ تاریخ میں عروج وزوال ارتقا وانحطاط کوئی نئی بات نہیں یہ زندہ قوموں کی تاریخ کا ایک حصہ ہے اگر آج اسرائیل کو اپنی جنگی طاقت پر ناز اور غرور ہے تو فصل بہار ہم پر بھی گزر چکی ہے زمانہ ہم سے ہمیشہ برگشتہ نہیں رہا تاریخ پھر عود کرے گی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر قوموں کے عروج وزوال کے تعلق سے صاف اور واضح طور سے بیان کیا ہے ''امید ویاس، خوشی وغمی، فتح وشکست کے ایام ہیں جو نوبت بہ نوبت تمام انسانوں پر گزرتے رہتے ہیں''۔

بہر حال ہم اہل فلسطین کو مبارک باد دیتے ہیں جنھوں نے اپنی بہادری اور ہمت واستقلال سے دشمنوں کے تمام منصوبوں کو ناکام بنا دیا

تمام دنیا کو معلوم ہے کی اسرائیل کے پاس تمام جدید جنگی ساز وسامان ہے اوران کے مقابلے میں اہل فلسطین کے پاس کچھ بھی نہیں بلکہ ان کے پاس کھانے کی ضروری اشیاء جو انسان کی زندگی کے لیے ضروری ہے اس کے لیے بھی وہ دوسروں کے محتاج ہیں گویا وہ اس وقت بالکل بے یارومددگار مظلوم ومحصور ہیں اس کے باوجود انہوں نے جانفروشی کی دنیا کے سامنے وہ نظیر پیش کی جو ان لوگوں کے لیے درس عبرت ہے جنہوں نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے اورانھوں نے اپنے قلب وجگر پر جمود وتعطل کے تالے لگا کر ان کے چابیوں کو اپنے مغربی آقاؤں کے سپرد کردی، یہی وجہ ہے کہ آج ان کو فلسطین میں کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا ہے کیونکہ وہ اپنے قوت سماعت پہلے ہی کھو چکے ہیں، دوسری طرف اہل فلسطین نے اس بات کو بھی ثابت کردیا کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے جنگی ساز وسامان کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں کیونکہ طاقت کے زور پر ایک ظالم وجابر قوم وہ تمام اسباب اختیار کرسکتی ہے جس دشمن پر غلبہ حاصل ہو جائے لیکن دلوں پر کسی کی حکومت نہیں ایک طاقت ور قوم اپنی دفائی طاقت سے قوموں کے دلوں کو چھین لے ایسا ہرگز نہیں اس لیے اگر آج فلسطینی مسلمانوں کے پاس وہ جنگی ساز وسامان نہیں جس سے دشمن کا مقابلہ کیا جاسکے لیکن ان کے سامنے غزوہ بدر جو دشمنوں کے خلاف اسلام کا سب سے پہلا معرکہ تھا اس کا پیغام ہے جس میں یہ بات دشمن کے خلاف پہلے معرکے میں ہی ثابت ہوگئی تھی کہ جنگ آلات حرب اور کثرت تعداد پر موقوف نہیں اور آج پھر اہل فلسطین نے اس بات کو واضح کردیا کہ جنگ میں فتح وشکست صرف قوائے جنگ اسلحہ وآلات پر موقوف نہیں جس طرح غزوہ بدر میں دشمنوں کے پاس جنگی ساز وسامان کی کثرت تعداد کے باوجود فتح مسلمانوں کی ہوئی اسی طرح فتح اس جنگ میں بھی مسلمانوں کی ہی ہوگی، دوسری سب سے اہم بات جب کسی قوم کے اندر حریت پرستی اپنے وطن سے محبت، نزول مصائب پر صبر جمیل، سچا احساس، پختہ ایمان عشق ملت، جوش حق، حفظ وطن ہو تو دنیا کی کوئی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی اور یہ تمام چیزیں ہمیں بروقت اہل فلسطین کے مسلمانوں میں نظر آرہی ہے جو ایک ظالم وجابر قوم کا تنہا نصف صدی کے زائد سے مقابلہ کررہے ہیں۔

ہمیں سب سے زیادہ افسوس ان عرب حکمرانوں پر ہے جنہوں نے اپنی غفلت اورلعنت میں گرفتار پر غیروں کی غلامی ومحکومی کا طوق پہن لیا ہے اگر عرب حکمراں ضمیر فروش نہ ہوتے تو ان کے قلب وجگر میں اسرائیل کا خنجر نہ ہوتا عربوں کے لئے اسرائیل کا وجود اب ناسور کی شکل اختیار کر چکا ہے اور عرب حکمرانوں کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں کیونکہ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کے قیام کے ذمے دار خود عرب حکمراں ہیں، مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ نے ۱۹۶۷ء ڈرامائی جنگ جو اسرائیل اور عربوں کے درمیان ہوئی تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ''۹/جون ۱۹۶۷ء کا دن دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے ایک ایسا روز بدبن کے آیا جس میں ان کا سر شرم اوراحساس ذلت کے بعد سے جھک گیا اوران کو اپنے ہم وطنوں بلکہ راہ گیروں سے بھی آنکھیں ملانے میں شرم محسوس ہونے لگی، اس دن یہودی فوجیں عالم عرب کے انتہائی اہم جغرافیائی اورفوجی مقامات پر قابض ہوچکی تھی اور ان کے متعدد شہر اسرائیل میں شامل ہو چکے تھے، اس سے زیادہ تکلیف اور زہرہ گداز حقیقت یہ ہے کہ قبلہ اور مسجد اقصیٰ حرمین شریفین مسلمانوں کے لیے سب سے متبرک مقام بھی ان کے زیرنگی ہے اوران کے سب سے بڑے رہنما کے بقول دو ہزار سال کے بعد ان کو اس میں فاتحانہ داخلے کا موقع ملا، آٹھ سو سال کے بعد یہ پہلا دن تھا جس میں مسلمانوں نے بیت المقدس میں نماز نہیں پڑھی، اس سے پہلے صلیبی جنگ کے دور میں ۹۰/برس صلیبیوں کے قبضے میں رہا جب تک صلاح الدین نے اس کو دوبارہ فتح نہ کرلیا مسلمانوں نے اطمینان کی سانس نہ لی، آگے لکھتے ہیں کہ جمعہ اسلامی تقدیم میں بہت مبارک دن ہے لیکن یہ جمعہ ۲۹ صفر ۱۳۸۷ھ ان کے لیے بدقسمتی کا پیغام لے کر آیا، ایسی بدقسمتی جس سے واسطہ مسلمانوں کو صدیوں سے نہیں پڑا، آج ہر آنکھ اشک بار ہے اور ہر

دل بے چین وہ بے قرار ہے، ہر مسلمان کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی اور ہر شخص اپنے آپ کو تعزیت کا مستحق سمجھ رہا تھا۔

یہ تمام صورت حال جس میں اسرائیل کا قیام جس ڈرامائی انداز سے ہوا وہ ہمارے سامنے ہے، تمام دنیا حیرت زدہ تھی اس وقت عالمی اسلام کی قیادت اور باگ ڈور جمال عبدالناصر کے ہاتھ میں تھی جو برطانیہ اور امریکہ کا غلام تھا، دوران جنگ اس کی باتوں سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آج نہ صرف عرب بلکہ پوری دنیا سے یہودیوں کا صفایا ہو جائے گا لیکن عین موقع پر جمال عبدالناصر نے جنگ بندی کا اعلان کر دیا اس سے پورا عالم اسلام انگشت بدنداں رہ گیا، اس لیے ہم مذکورہ تمام صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسرائیل کا وجود شروع سے لے کر آج تک نسل کشی کی من گھڑت کہانی پر مبنی ہے اور اس کو وجود میں لانے کے لیے جہاں ایک طرف مغربی اور یوروپی ممالک کی مشترکہ جدوجہد کا نتیجہ ہے تو دوسری طرف اس کے ذمے دار عرب حکمراں بھی ہیں، بہر حال بات اگر چہ لمبی ہو چکی ہے لیکن چونکہ یہ موضوع بڑا حساس اور بلواسطہ یا بلاواسطہ مسلمانوں کے جذبات اس سے وابسطہ ہیں آج گھر سے بے گھر لاچار و مجبور فلسطینی مسلمان اپنی زندگی سے مایوس حسرت ویاس کے عالم میں کسی ایسے مسیحا کے تلاش میں ہیں جو ان کے زخموں پر مرہم پٹی کر سکے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہو سکے اور ان کو آزادی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے وہ تمام اسباب مہیا کرا سکے جو ان کے لیے ضروری ہے، افسوس کی بات یہ ہے کہ بجائے ان کے دکھ درد میں شریک ہو کر ان کی تکلیف کو ہلکا کرتے ان کے غم کو اپنا غم سمجھتے اس کے برعکس اہل عرب نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی وہ جدھر پناہ لینے کے لیے جاتے ہیں ان کے لیے سرحدوں کو بند کر دیا جاتا ہے جو باعث افسوس ہے لیکن جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو ان سے دور ہیں اور عملی طور پر ان کا ساتھ نہیں دے سکتے لیکن وہ اتنا ضرور کر سکتے ہیں کہ وہ اہل فلسطین کے لیے مسجدوں میں دعائے قنوت نازلہ اور مدرسوں میں ان کی کامیابی کے لیے دعا جو کہ اضعف الایمان کا درجہ ہے۔

گزارش

ماہنامہ نقوش اسلام ایک دینی، دعوتی، تاریخی، معلوماتی، ادبی اور اصلاحی رسالہ ہے، اسے خود بھی پڑھئے اور اپنے زیادہ سے زیادہ احباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے، اس کی سال بھر کی ممبری فیس صرف ۱۰۰/روپیہ ہے۔

(ادارہ)

شوگر ختم

جو لوگ شوگر کے مرض میں مبتلا ہوں وہ اب مایوس نہ ہوں، قدرت نے ہر بیماری کے ساتھ اس کا علاج بھی پیدا کیا ہے، ہمارے دیسی علاج سے شوگر کا مرض ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے اور دوبارہ اس کا حملہ نہیں ہوتا، شوگر کے وہ مریض جو انگریزی دوائیں کھاتے کھاتے پریشان ہو گئے ہوں اور آرام نہیں ہوتا تو وہ علاج کے لیے آج ہی ہمیں لکھیں، ملیں یا فون پر رابطہ کریں۔

مایوسی کی ضرورت نہیں

بواسیر - پتھری - پورے بدن کا درد - گھٹیا - سانس کا پھولنا

اس کے علاوہ

زنانہ و مردانہ پوشیدہ امراض کا مکمل کامیاب علاج

کمزوری چاہے کسی بھی عمر میں ہو

شادی سے پہلے یا بعد میں کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ حاصل کریں۔

فون نمبر: 05922-250995
موبائل: 09412391643

پھول والے حکیم

محلہ ملانہ، امروہہ، ضلع جے۔ پی۔ نگر
(یو۔ پی) 244221

اشتہار

تربیتی کورس

یک سالہ تدریسی اور عصری تربیتی کورس برائے فارغین مدرسہ

پروفیسر انیس احمد چشتی، پونہ (مہاراشٹر)

معروضات:

اس وقت طبقۂ علماء کو قومی دھارے میں لانے کی بات ملک بھر میں تقریباً چل پڑی ہے بلکہ ایک طرح سے انھیں دوسرے سیارے کی مخلوق قرار دیا جا چکا ہے، دہشت گردانہ حملوں کے بعد تو تمام سرکاریں چراغ پا ہیں، مدارس کی تطہیر کے لیے ہر کوئی میدان میں کودا ہوا ہے، ہر گلی میں ایک کورس بن رہا ہے، ہر فرد ایک صاحب نصاب ہے، مرکزی سرکار مدرسہ بورڈ بنانے کے چکر میں کمر کس چکی ہے اور وہ دیر یا سویر پارلیمنٹ میں یہ بل پیش کرنے والی ہے، اس دوڑ میں ایسے لوگ بھی کود پڑے ہیں جنھیں نہ عصری تعلیم کے گلیاروں سے واقفیت ہے اور نہ ہی انھوں نے دینی تعلیم گاہوں کا کبھی منہ دیکھا ہے۔

ہمارا تدریسی تجربہ الحمدللہ چالیس برسوں سے اوپر کا ہے لیکن اس میں خاص بات یہ ہے کہ ہم نے ایسی ایسی جگہوں پر پڑھایا ہے جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا، ہماری مراد افواج اور بیوروکریسی کے اعلیٰ افسران کی تدریس سے ہے، جس میں اسلامیات، اقبالیات، اخلاق و کردار اور قومی یکجہتی وغیرہ کے اسلامی اصول شامل ہیں، اسی طرح ہم پچھلے ۲۸ر برسوں سے ملک بھر میں پھیلے ہوئے بین الاقوامی شہرت یافتہ دینی اداروں سے بھی وابستہ ہیں اور وہاں عصری علوم پڑھا رہے ہیں اسی کے ساتھ ساتھ ہم ان اداروں سے بھی وابستہ ہیں اور اپنی تدریسی خدمات پیش کرتے رہتے ہیں جو خاص طور پر طبقہ علماء اور مدارس کے فارغین کے لیے تشکیل دیئے گئے ہیں جن کا مقصد ہی علماء کی عصری علوم میں تربیت کرنا اور انہیں مستقبل کا داعی اور پیشوا بنانا ہے۔

ہم نے اب تک جتنے بھی کورس پڑھائے ہیں، ہم ایک سے بھی مطمئن نہیں ہیں الا ماشاء اللہ، ہم نے محسوس کیا کہ عالمی شہرت یافتہ دینی مراکز کے بعض علماء بھی دوصدی پہلے کے مرتب کردہ نصاب کے حق میں نہیں ہیں، ان کے اندر بھی اسلامی اداروں کے نصابوں کا از سر نو جائزہ لینا اور ان میں عصری تقاضوں کے تحت تبدیلی کرنا ناگزیر ہے، تاہم اس میں پہل کرنا ضروری ہے، یہ پہل کہاں سے ہوگی اس کا فیصلہ وقت ہی کرے گا۔

ہم نہایت ہی غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ فارغین کی ایک بڑی تعداد اس فراق میں رہتی ہے کہ کس طرح انھیں ان جدید کورسوں ں میں داخلہ مل جائے اور وہ کمپیوٹر اور انگریزی سیکھ کر کسی ایمبیسی یا ادارے میں کلرکی کرلیں یا عصری تعلیم گاہوں سے وابستہ ہو جائیں جہاں پیسہ بھی ہے اور چمک بھی اور مواقع ملتے ہی مترجم، مدرس یا امام کی حیثیت سے یورپ اور امریکہ کا رخ کرلیں، بہت کم لوگ ہم نے ایسے دیکھے جو داعیانہ اور اسلامی زندگی گزارنے کے حق میں ہیں یا گزار رہے ہیں۔

ہم بہت غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر بھی پہنچے ہیں کہ دینی اداروں میں جتنے اساتذہ کام کررہے ہیں وہ سب کے سب غیر تربیت یافتہ ہیں اور محض اٹکل اور ذاتی تجربوں کی بنیاد پر تدریسی زندگی کی گاڑی گھسیٹ رہے ہیں، اس کا اثر یہ ہے کہ ملت کو وہ نتیجہ نہیں ملتا جس کی وہ متلاشی ہے، جلیل القدر علماء ناپید ہیں اور جو ہیں ان پر کاموں کا اتنا بوجھ ہے کہ وہ بھی قحط الرجال کا رونا روتے ہیں۔

چنانچہ بہت ہی غور و فکر کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سب سے پہلے تربیت یافتہ اساتذہ کی ایک کھیپ تیار کردی جائے ، جو عصر حاضر کے تقاضوں سے عین مطابقت رکھتی ہو، جس میں مستقبل کا داعی بننے کا جذبہ بھی پیدا ہو، شائستہ، باصلاحیت اساتذہ اور افراد بھی پیدا ہوسکیں۔

زیر نظر نصاب اسی داعیانہ زیست کی ایک کلید ہے، اس میں عصری اور مقامی تقاضوں کے تحت حک واضافے کی گنجائش ہے، تاہم اس سے اتنی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے کہ وہ ہمارے طویل تجربات سے مستفید ہونے کی بجائے ان پر پانی پھیر دے۔

زیر نظر نصاب میں ہر تبدیلی سے پہلے ایک مشورہ اور ایک اطلاع ہم اپنا حق سمجھتے ہیں، سرکاری اور نجی سطح پر ہم نصاب بنانے کے مجاز ہیں، ہم نے کئی کورس بنائے ہیں جو آج بھی ملکی اور ریاستی سطحوں پر چل رہے ہیں، اس نصاب کو دراصل دو سال کا ہونا چاہیئے تھا، لیکن ہم نے دیکھا کہ اداروں کے ذمہ داران ہر کام میں عجلت کے خواستگار ہیں، اس لیے بحالت مجبوری ہم نے کورس کو Capsnle میں تبدیل کرلیا ہے، ہمیں آپ کے مشوروں کا انتظار رہے گا۔

کورس کی تفصیلات: (مقاصد)

۱- ملکی ضرورتوں کے پیش نظر مستقبل کے لیے اساتذہ ، داعی اور امام ملک وقوم کو مہیا کرنا، یہاں ''امام'' سے مراد قائدین اور مذہبی پیشواؤں سے ہے۔

۲- تربیت شدہ افراد ایسی کھلی ذہنیت کے ہوں جو دین اور دنیا میں متعصّبانہ تفریق نہ کرسکیں۔

۳- ان کی توجہ محض کسب معاش کی طرف نہ رہتے ہوئے کسب حلال کی طرف رہے۔

۴- یہ افراد عصری نظام کو دین کے آفاقی اور روحانی نظام کے تناظر میں برتنے کے اہل ہوں۔

۵- ان میں انگریزی، مراٹھی یا ہندی کی اتنی صلاحیت پیدا ہوجائے کہ وہ مجمع کثیر یا قلیل کے سامنے دین کے بنیادی موضوعات کو دلیل وتبیان کے ساتھ پیش کرسکیں۔

۶- جدید آلات اور ٹیکنالوجی سے وہ گھنائیں نہیں بلکہ ان کو استعمال کرنے اور ان سے دین کے عظیم مفاد کو وابستہ کرنے کی سوچ و فکر اور عمل اپنے اندر پیدا کرسکیں۔

۷- ہندوستان کے کھلے سیاسی ، سماجی اور معاشی ماحول میں ان کی حیثیت محض ایک ''ایکٹر'' کی نہ ہوتے ہوئے ایک ''فیکٹر'' کی بن جائے۔

۸- ان میں ملکی، قومی اور ملی عظیم مفاد کی خاطر اپنے ذاتی اور نجی مفاد کو قربان کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے۔

۹- کورس کے ختم ہوتے ہوئے طلبہ میں بلاتفریق مذہب وملت انسانی ہمدردی کا جذبہ بدرجہ اتم پیدا ہوجائے۔

۱۰- قانون کی بالادستی ، بین المذاہب، اتحاد اور بھائی چارہ، ملک کی سیاسی ، سماجی ، مذہبی اور اساطیری شخصیتوں کے احترام کا جذبہ شرکاء کے قلوب میں پیدا ہوجائے۔

شرائط انتخاب:

۱- ہندوستان کے کسی بھی مستند مدرسے ، دارالعلوم ، جامعہ ، یا متوازی ادارے سے مولوی، عالم ، فاضل، یا مفتی کی سند اس کورس میں داخلے کے لیے ضروری ہے، یہ سند کم از کم کسی اسٹیٹ سیکنڈری، اینڈ ہائر سیکنڈری اکزامینیشن بورڈ کے سرٹیفکٹ کے مساوی ہو۔

۲- داخلے کے وقت تمام امیدواروں کو ایک تحریری اور تقریری امتحان سے گزرنا ہوگا۔

۳- داخلے کے تمام حقوق ادارے کے ذمہ داروں کے ہاتھوں میں محفوظ ہوں گے اور بغیر کوئی وجہ بتائے داخلہ منظور یا رد کیا جاسکے گا۔

کورس کے دوران:

۱- کورس کے دوران شرکاء کو قیام وطعام کی تمام سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

۲- مزید براں ہجری کیلنڈر کے حساب سے طلبہ کو ماہانہ دوہزار

روپیہ وظیفہ دیا جائے گا تا کہ وہ یکسو ہو کر صرف تعلیمی ترقی کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر سکیں۔

۳-کسی طالب علم کی حاضر باشی، تعلیمی کاموں میں عدم توجہی یا نظم وضبط اور فرمانبرداری میں کمی کا اثر وظیفے یافت پر پڑ سکتا ہے۔

۴-امتحانات میں عدم شرکت ناقابل تلافی جرم ہوگا۔

کورس کی وسعت:

۱-کورس کی مدت تقریباً دس مہینوں پر محیط ہوگی، اس میں متعدد چھٹیاں شامل ہیں۔

۲- رمضان شریف اور بقرہ عید کے موقعوں پر کورس میں تعطیل رہے گی۔

۳-کورس کے اولین ۶/ ماہ تدریسی مضامین کے مواد کے لیے مخصوص ہیں، بقیہ چھ ماہ کے دوران طلبہ کو کلاسوں میں اسباق لینے ہوں گے۔

۴- تدریسی مضامین کے علاوہ بقیہ مضامین سال بھر پڑھائے جاتے رہیں گے۔

۵-اس کورس میں عام طور پر وہ مضامین پڑھائے جائیں گے جو نہ صرف عصری اداروں کے نصاب میں شامل ہیں بلکہ ان کا تعلق دینی مدارس کے درسیات سے بھی نہیں ہے، اس لیے طلبہ کو بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

معلوماتی عصری مضامین:

۱-کمپیوٹر: (نیشنل کونسل برائے فروغ اردو زبان کا مکمل D T P کورس)۔

۲-جغرافیہ: جماعت پنجم تا ہفتم اسکولی نصاب میں پڑھائی جانے والی کتابوں کے منتخب اسباق جو قرآن وحدیث سے مطابقت رکھتے ہوں۔

۳-سائنس: مسلم سائنسدانوں کی ایجادات اور تاریخی تناظر میں بنیادی سائنس کی تدریس۔

۴-حساب: جمع، تفریق، ضرب، تقسیم، پہاڑے اور الجبراء کے ابتدائی اسباق۔

۵-انگریزی: کسی بھی اسٹیٹ بورڈ کے ایس ایس سی بارہویں امتحان میں شرکت۔

۶- مراٹھی/ہندی: کسی بھی اسٹیٹ بورڈ کے ایس ایس سی بارہویں امتحان میں شرکت۔

۷-صحافت: میڈیا کیا ہے؟ ابتدائی اسباق۔

۸-ترجمہ: انگریزی، مراٹھی، اردو سے ایک دوسرے میں تدوین رپورٹنگ، پریس کی ابتدائی معلومات۔

۹-نفسیات: عصبی نظام، دماغ اور اس کے افعال، حواس خمسہ، جبلتیں دھیان، یادداشت نیز کمیونی کیشن اسکل۔

نوٹ: طبقہ علماء کو اسکول ایڈمنسٹریشن پڑھانے کی ضرورت نہیں، مدرسوں کا نظام کسی بھی اچھی یونیورسٹی سے بہتر ہوتا ہے، ان کے پاس ہر طالب علم، استاد اور ملازمین نیز درجوں کا ریکارڈ ہوتا ہے، اساتذہ کے اسباق آپس میں ٹکراتے نہیں اور وہ پورے طور پر مہتمم کے کنٹرول میں ہوتے ہیں، اسی طرح انھیں پرسنالٹی ڈولپ منٹ کی بھی ضرورت نہیں۔

اختیاری مضامین:

۱-موٹر ڈرائیونگ

۲-کمپیوٹر کی ایڈوانسڈ اسٹڈی

۳-پرنٹنگ ٹیکنالوجی

۴-ڈیزائننگ

۵-پروف ریڈنگ

۶-لائبریری سائنس

۷-انگریزی بول چال میں مہارت وغیرہ

عملی کام:

۱- دوسری ششماہی میں منتخب شدہ مضامین میں باقاعدہ اسباق

لینا۔

۲-ایک مہینے میں دو مرتبہ دواخانوں میں مریض کی عیادت۔

۳- سرکاری مطالبات پورے کرنے والے مختلف فارم بھرنا، مثلاً ووٹرلسٹ میں اندراج، پاسپورٹ، منی آرڈر، ریلوے ریزرویشن وغیرہ۔

۴-ہندوستانی نظام عدلیہ کو سمجھنے کے لیے وکلاء اور کورٹ کی کارروائیوں میں شرکت اور اس بات کا مطالعہ کی اس میں کون سے اسلامی عناصر شامل ہیں۔

۵-یونیورسٹی، این ڈی اے، سی ایم ای، آیوکا اور اسی قبیل کے دیگر اداروں کا مشاہدہ۔

۶- مہینے میں کم از کم ایک بار لائبریری میں کتابوں کو جاری کرنے کے طریقۂ کار کو سمجھنے کے لیے کاؤنٹر پر بیٹھنا۔

۷-بڑے اخباروں کے دفاتر اور چھاپہ خانوں کا مشاہدہ۔

۸-مختلف مساجد میں خطبۂ جمعہ اور تقریر۔

روحانیات:

۱-روزانہ بعد نماز فجر کم از کم نصف پارے کی تلاوت اور ترجمہ۔

۲- فجر کے بعد وظائف اور اوراد۔

۳-کسی روحانی پیشوا کی خدمت میں کم از کم پندرہ روز وقت گزاری۔

۴- جمعہ کے روز معمول تلاوت کے علاوہ سورۂ کہف اور سورۂ یٰسین کی تلاوت۔

مطالعات:

۱- جغرافیہ: آٹھویں اور نویں جماعت کی درسی کتاب جس میں فلکیات، زمین کی گردش، طول البلد اور عرض البلد، سورج اور چاند گہن، سورج، نظام شمسی، نظام کائنات، پانی اور اسی قبیل کا مطالعہ شامل ہوگا، دیکھنا کہ قرآنی علوم سے ان میں کتنی مطابقت ہے۔

۲- سائنس: بنیادی سائنس بتانے والے مختلف اسباق پر ایک درسی کتاب کی ترتیب، جس میں مسلم سائنس دانوں کی ایجادات کا بھی تذکرہ ہو، راقم الحروف اس ترتیب میں منہمک ہے۔

۳- حساب: ریاضیات کی بنیادی باتیں جان لینے کے بعد بیع وشراء نیز ترکہ اور وراثت کی تقسیم کی مشقیں کرنا۔

۴- انگریزی: دسویں، بارہویں میں پڑھائی جانے والی کتاب کے تحت امتحان کی تیاری اور عمومی ترجمہ کاری۔

۵- مراٹھی: دسویں، بارہویں جماعت میں پڑھائی جانے والی کتاب کے تحت امتحان کی تیاری اور ترجمہ کاری۔

۶-نفسیات: ڈی ایڈ، بی ایڈ میں پڑھائی جانے والی کتابوں کے ابتدائی اسباق کا مطالعہ۔

لازمی مطالعہ:

۱-صحبتِ با اہل دل۔(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

۲-انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر۔(حوالہ بالا)

۳-اسلام اور سائنس۔(از مولانا عبدالباری ندوی)

۴-اسلام اور عصر جدید۔(مولانا وحیدالدین خان)

۵-تعلیم شناسی۔(از انیس چشتی)

۶-اردو تعلیم آج اور کل۔(انیس چشتی)

سرسری مطالعہ:

۱-سوانح عبدالقادر رائے پوری۔(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

۲-حیات عبدالحئی۔ //

۳-نبیٔ رحمتؐ۔ //

۴-آواز دوست۔ (از مختار مسعود)

۵-تاریخ ادب اردو (رام بابو سکسینہ، ڈاکٹر عابد حسین)

طریقہ تدریس:

۲۸ سالہ تجربے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مدارس میں ان علماء کو یا تو تاریخ پڑھائی جاتی ہے یا زباندانی، مثلاً حدیث، علم اسماء الرجال، فقہ وغیرہ، تاریخ ہے تو حدیث، تفسیر اور دیگر علوم زباندانی ہیں، اس لیے تدریس کے لیے انھیں صرف دو مضامین یعنی تاریخ اور

زباندانی کے ہی اسباق دیئے جائیں، مدارس میں تدریس کے لیے انھیں مضامین کی تیاری کروائی جائے جو انھیں اپنے مدرسوں میں پڑھانے ہیں، ان سے اسکولوں میں دینیات کے علاوہ دوسرے مضامین پڑھوانا غیر قانونی اور علماء کی صلاحیتوں کو ضائع کروانے کے مترادف ہے، دوسرے یہ کہ قانونی طور پر یہ علماء کوئی بھی اسکولی مضمون پڑھانے کے مجاز نہیں ہیں، اس کے لیے ان علماء کا ہونا ضروری ہے۔

فیکلٹی:

☆ یہ کورس چونکہ جدید، اجنبی اور اسلامی شعائر سے متعلقہ افراد کی تربیت کے لیے ہے، اس لیے خواتین اساتذہ سے یہ کورس نہ پڑھوایا جائے گا۔

☆ اس کورس کی فیکلٹی بہت مشکل سے میسر آتی ہے، اس لیے ملک بھر کے شہرت اور تربیت یافتہ افراد کی ایک فہرست تیار کی جائے گی اور ان کی توسیعی خطبات کا اہتمام کیا جائے گا۔

☆ ہونہار علماء کو مزید تربیت دے کر انھیں آئندہ کے لیے تیار کروایا جائے گا۔

☆ حالات حاضرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کورس کے مرتب نے اسلامی تاریخ، روایات اور شعائر سے ایسے عناوین ڈھونڈ نکالے ہیں جن سے ایک طرف تو اسلام کے ناقدین کا منھ بند کیا جا سکے گا، دوسرے خود مسلمانوں میں جذبۂ حب الوطنی، قومی یکجہتی، وفاداری، اوپن مارکیٹ اکانامی، گلوبلائیزیشن، عصری معاشیات، دینی عصری علوم کا ذوق، نصاب اور درسیات کی تدوین، مسلمان سائنسدانوں کی دریافتوں اور ایجادات وغیرہ سے اسلامی حدود میں رہتے ہوئے جذبۂ یگانگت پیدا کیا جا سکے گا۔

☆ سال میں کم از کم تین مرتبہ انٹرنیشنل سطح کے اساتذہ کو بلوا کر تربیت کا بندوبست بھی کیا جائے گا۔

☆ عصری علوم میں سیاسیات، مدنیات اور شہریت کی بھی بڑی اہمیت ہے، اس کا ایک چھوٹا سا کورس مرتب کر کے وزٹنگ فیکلٹی سے اسے پڑھوالیا جائے گا، مثلاً پارلیمنٹ، راجیہ سبھا اور لوک سبھا، اسپیکر، وزیر اعظم، صدر مملکت، وزیر اعلیٰ، گورنر، کلکٹر، ایس پی اور سی پی، ان کا تقرر اور تقرر کے لیے درکار صلاحیت، اسی طرح اقوام متحدہ وغیرہ نہایت دلچسپ موضوع ہیں، انھیں مشاق اساتذہ سے پڑھوالیا جایا کرے گا۔

سائنس کی تدریس:

شریک طلبہ کو صرف سائنس نہیں پڑھوانا ہے بلکہ انھیں سائنس کے کرشمے پڑھوانا ہے مثلاً: عمل تکسید، عمل تسعید، عناصر، تیزاب، اساس اور گیس وغیرہ پڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ انھیں جابر بن حیان اور ابوبکر زکریا الرازی کی حیات اور ایجادات سے واقف کروایا جائے، اسی طرح ریاضی اور جغرافیہ کی تدریس تاریخی تناظر میں بالترتیب الخوارزمی اور الشریف الادریسی کی حیات، ایجادات اور دریافتوں کے تناظر میں ہوگی، نمائندہ مسلم تاریخ پڑھانے کے بجائے انھیں اسلامی سائنسی ترقیات کی تاریخ پڑھائی جائے گی، یہ تاریخ ایک جداگانہ مضمون کے طور پر بھی اختیار کی جا سکے گی۔

نوٹ: اس قسم کی تدریس کے لیے ایکسپرٹ اساتذہ کی خدمات حاصل کی جائیں گی، کس مضمون کی تدریس کے لیے کتنا وقت مختص کیا جائے، گھنٹوں کی تقسیم کیونکر ہو، نیز Contents کی کتابوں کی فراہمی کے لیے کیا کیا جائے؟ اس کی تفصیلات آپسی مشوروں سے طے کریں یا پھر ہمیں لکھیں۔

مذاہب کا تقابلی مطالعہ:

۱- مذہب میں بڑی توانائی ہے، دنیا کے اکثر بگاڑ مذہب کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوئے ہیں، دوسرے مذہب کا آدمی اپنے جیسا دکھائی دینے کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کے مذہب کا بھی مطالعہ کیا جائے، اس کورس میں چار دیگر مذاہب، ہندوازم، عیسائیت، سکھ ازم اور بدھ مت پڑھائے جائیں گے۔

۲- سال بھر میں ہر مذہب پر اس مذہب کے پیشوا مناسب وقفوں سے آٹھ لکچر دیں گے۔ ﴿بقیہ اگلے ۴۲ صفحہ پر......﴾

راہِ عمل

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

الحاج منشی عبدالغفور صاحب ناظم مدرسہ انوار القرآن نعمت پور

قدیم زمانے سے ہی چھڑی کو طلبہ کی تعلیم وتربیت کا کارگر ذریعہ سمجھا جارہا ہے جس کے آگے شریر سے شریر اور شریف سے شریف تر بچہ کو بھی سرنگوں ہونا پڑتا ہے، چھڑی کے کچھ فائدے اور مثبت پہلو ضرور ہیں لیکن کثرت استعمال سے اس کے مثبت پہلو سے کہیں زیادہ مضر اور منفی پہلو اپنے پیر نہایت مضبوطی سے جما لیتے ہیں، جو بچہ کی سرشت پر اثر انداز ہوکر نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں، دیکھا گیا ہے کہ بار بار کی پٹائی سے بچہ مار کھانے کا خوگر ہوجاتا ہے، پھر مار اس کے لیے کوئی شرم وعار کی چیز نہیں رہ جاتی، مار پیٹ سے بچے میں ہٹ دھرمی، بدمزاجی، بدخلقی، نفرت وکدورت اور نافرمانی جیسی رذیل عادتیں پیدا ہوجاتی ہیں، یہی نہیں بلکہ انتقامی جوش وجذبہ کے نشہ میں چور ہوکر دست درازی پر اتر آتے ہیں، پھر ایسے بچے اساتذہ اور مربیوں کی ناصحانہ باتیں ماننا تو درکنار، سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے، بعض بچے طبیعت کے حساس اس قدر ہوتے ہیں کہ پٹائی کی وجہ سے ذہنی امراض اور دماغی خلجان میں مبتلا ہوکر ترک تعلیم ہی کر بیٹھتے ہیں اور بہت سے حد سے گزری ہوئی ضرب وشلاق کی تاب نہ لاکر فرار اور لاپتہ ہوجانے کی راہ اختیار کرلیتے ہیں، پھر ان کی تلاش وجستجو میں والدین کو سرگرداں ہونا پڑتا ہے، بسااوقات بچہ چھڑی کے بے جا استعمال سے جسمانی طور پر مجروح ہوکر خود تو ہوتا ہی ہے بیقرار ومضطرب استاد اور سرپرستوں کے لئے بھی دردسر بن جاتا ہے، یہ صورت حال بچہ کی نشو ونما اور اعضائے رئیسہ کی بالیدگی کو بھی متاثر کرتی ہے، غبی اور کمزور ذہن وحافظہ کے نادار یتیم ولاوارث بچے مار دھاڑ سے گھبرا کر احساس محرومی کا شکار ہوکر تعلیم سے برگشتہ اس لیے بھی ہوجاتے ہیں کہ ان کی نظر میں کوئی ان کا پرسان حال اور آنسو پونچھنے والا نہیں ہوتا، ایسے بچوں کو سزا دینے سے پہلے قدرے تامل کرلیا جائے تاکہ بعد میں کف افسوس نہ ملنا پڑے "فاما الیتیم فلاتقھر" کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے بچوں کے ساتھ پدرانہ پیار وشفقت کا برتاؤ رکھا جائے، بعض مقامات پر تو مدارس میں ''مار نہیں پیار'' جیسے مضامین ومعانی کی تختیاں آویزاں کردی گئی ہیں، جن سے ممکنہ حد تک اصلاحات ہورہی ہیں، بہرحال بچوں کو حد سے بڑھ کر زدوکوب کرنا دورِ حاضر میں غیر مؤثر تو ہوتا ہی ہے لیکن اتنا نافع بھی نہیں جتنا کہ مضر نظر آتا ہے۔

چونکہ استاد اور شاگرد کا رشتہ نہایت مہذب ومستحکم اور مقدس ومشفقانہ ہوتا ہے اس لیے استاد کی طرف سے شفقت ومروت کا اظہار شاگرد کو خوداعتمادی طمانیت وانبساط اور فخر وناز کا احساس وحوصلہ دلاتا ہے، معلم وہی کامیاب ہے جو بچوں کے دل ودماغ میں اپنی حکمت وتدبیر سے شوق ولگن اور تعلیمی طلب پیدا کرے، غصہ اور مار کی وجہ سے بعض اساتذہ کی ہیبت اس قدر ہوجاتی ہے کہ بچے درجہ میں زبان کھولنے اور سبق میں کچھ بھی پوچھنے کی جرأت نہیں کرپاتے ایسی حالت میں حصول علم میں پختگی کما حقہ نہیں ہوپاتی، غصہ ویسے بھی ظلم اور ناانصافی کو شہ دیتا ہے، اس لیے بحالت غصہ بچہ کو کبھی نہ ماریں، جہاں تک ہوسکے پندونصائح سے کام چلائیں، بعد فہمائش بھی اگر اصلاح پذیر نہ ہوتو تحقیق وتفتیش کے بعد سزا اور اس کے مزاج، جسمانی قوت برداشت اور باعتبار قصور ہی دیں جرم خفیف اور ادنی تقصیرات کی پاداش کو زبانی تاکید وتنبیہ یا پھر گوشمالی تک محدود رکھیں، مناسب جانیں تو نظرانداز کردیں، سزا دینے میں غایت درجہ احتیاط برتیں، حد سے تجاوز اور موٹی لکڑی کا استعمال ہرگز نہ

کریں، بلکہ ایسی چیز کا انتخاب کریں جس سے بچے کو اذیت کم سے کم پہنچے، ایسے ہی زیادہ دیر تک کان نہ پکڑوائیں، بوقت سزا بچہ کے نازک اعضاء، سر، ناک، کان، آنکھ، چہرہ وغیرہ کے بچاؤ کے پیش نظر خیال رکھیں، مجرم کو پہلے اس کے جرم وقصور کا احساس دلائیں، بحکمت اعتراف جرم کرائیں اور آئندہ اس طرح کی غلطی نہ کرنے کا وعدہ بھی لیں، بعدہٗ سزا مناسب ہی دیں، بچے کو یہ سوچ کر پڑھائیں کہ تدریس ہمارا پیشہ نہیں بلکہ ملی اور اخلاقی فریضہ ہے۔

معلم اور مربی بچہ کی کسی بھی طرح کی ناکامی، کوتاہی یا خامی کا اظہار سرعام نہ کریں، نہ ہی مضحکہ اڑائیں، طعن وتشنیع سے بھی بچا جائے، ایسے نام سے پکاریں جس کو وہ پسند کرتا ہو بصورت دیگر بچہ کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے، جو اسے بغاوت کرنے تک اکساتی ہے، نرم وگرم لب ولہجہ کی گفتگو بچہ خوب سمجھتا ہے، تلخ اور نادرست کلام سن کر بچہ ہی کیا حلیم سے حلیم تر شخص بھی مشتعل ہو کر بھڑک اٹھتا ہے، اس لیے مدرسین حضرات بچوں کے ساتھ ترش روئی، بدکلامی اور استہزاء وغیرہ سے ہمیشہ اجتناب کریں، بات بات پر ناراض ہونے والے استاذ کو بچے اچھی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ رعب وخوف اور ادب واحترام جو ان کے دل میں ہوتا ہے وہ بھی رخصت ہو جاتا ہے، ماہرین تعلیم وتربیت اور بچوں کی نفسیات کے شناسا حضرات کا تجربہ ہے کہ بچہ کو لمبا سبق یا ایسا اور کوئی کام نہ سونپا جائے جو اس کی بساط سے باہر ہو ایام تعطیل میں بھی تعلیم وتعلم میں مصروف رکھا جائے، موقع بموقع سے سبق آموز لطائف ومزاح کا بھی کچھ حرج نہیں، خردسال بچوں کو تعلیمی راہ پر رکھنے میں توصیفی کلمات بھی مفید ہیں، ایک بچہ کو دوسرے بچہ پر بالمشافہ فوقیت نہ دیں، استاد بچوں کے سامنے اپنے اقوال وافعال سیرت وکردار سے مثالی استاد اور فرض شناسی کا نمونہ بن کر رہے، سرزنش زیادہ بہتر نہیں، ڈانٹ ڈپٹ میں بھی پیار کی آمیزش ہو، طلبہ اور تلامذہ کی ناشائستہ حرکات پر صبر وضبط اور درگزر سے کام لینا بھی استاذ کے لیے بڑی سعادت مندی ہے۔ ؎

استاذ پہ لازم ہے سعادت مندی ۞ کم ظرفیٔ شاگرد کوئی عیب نہیں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’والدین اپنی اولاد کو جو سب سے بہترین تحفہ اور عطیہ دے سکتے ہیں وہ ہے اچھی تہذیب وتربیت‘‘ دور حاضر میں معاشرہ کے پراگندہ ماحول میں بچوں کی صالح تربیت وتعلیم یقیناً بہت اہم اور لطیف شئی ہے، اس لیے والدین اور اساتذہ اپنے اطفال وتلامذہ کی تادیب وتربیت کرنے میں حکمت وتدبر اور نرم خوئی سے کام لیں، اللہ رب العزت ہمیں اس نعمت وسرمایہ کی قدر ومنزلت پہنچاننے کی اور اخلاقی تعلیم وتربیت کرنے کی توفیق خیر اور صحیح سمجھ عطا کرے۔ آمین

﴿بقیہ صفحہ ۴۰ رکا......﴾

۳- ہر لکچر ایک گھنٹے کا ہوگا اور ۲۰ رمنٹ سوال وجواب کے لیے ہوں گے۔

۴- ہر لکچر میں اس مذہب کی بنیادی باتیں بتائی جائیں گی۔

۵- طلبہ ان لکچروں سے ایسے نکات نوٹ کریں گے جو تمام مذاہب میں مشترکہ اقدار کے طور پر جاری ہیں، اور ان کی وجہ سے مذاہب میں کوئی ٹکراؤ نہیں پایا جاتا۔

۶- ان چار مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ کرکے کثرت میں وحدت یا پیام انسانیت یا اتحاد بین المذاہب جیسے عنوانات پر مقالے تیار کرینگے۔

۷- طلبہ میں مذاہب کا مطالعہ تنقیدی انداز میں کرنے کی بجائے تفہیمی انداز میں کرنے کی مشق کروائی جائے گی تاکہ نفرتیں کم ہوں اور محبتیں بڑھیں۔

۸- طلبہ دیگر مذاہب کے اداروں میں جاکر اسلام کے بنیادی موضوعات پر بات کریں گے۔

۹- اس سلسلے میں اگر ضرورت محسوس ہوئی تو دیگر مذاہب کے ذمہ داران کو ایک مختصر سا کورس بھی تیار کرکے دیا جائے گا۔

۱۰- اس پورے عمل کے دوران مذاہب کو الگ الگ خانوں میں رکھنے کا عمل جاری رہے گا اور وحدت ادیان کی فضا پیدا ہونے نہیں دی جائے گی۔ ۞۞۞۞۞

اصلاحیات

مسلمان بھائی کو حقیر مت سمجھو

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

"المسلم اخو المسلم لایحقرہٗ" مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، ایک دوسرے کو حقیر نہ سمجھیں، جو شخص دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے اس کے اندر غرور اور کبر ہے، بڑائی اللہ رب العزت کی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ولہ الکبریاء فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم" ۔ (سورہ جاثیہ پارہ ۲۵ رکوع ۲۰)

اور اسی کے لیے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

حدیث قدسی میں ہے "الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی واحداً منھما قذفته فی النار"۔

کبریائی میری چادر اور عظمت میرا تہبند ہے، لہٰذا جو کوئی ان دونوں میں سے کسی میں مجھ سے منازعت اور کشمکش کرے گا میں اسے اٹھا کر آگ میں پھینک دوں گا۔ اللھم احفظنا منہ

تکبر اور گھمنڈ کرنے والے انسان سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں، تمام مسلمان برابر درجہ کے ہیں، اگر کسی کا درجہ اور مقام اونچا ہے تو صرف تقویٰ ہی کی وجہ سے ہے قال اللہ تعالیٰ "ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم" اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، کسی مسلمان کو حقیر سمجھنے والا کبھی متقی نہیں ہوسکتا، بسا اوقات وہ شخص جس کو ہم حقیر سمجھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بڑا درجہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ خاص معاملہ ہوتا ہے، جو ہمیں محسوس نہیں ہوتا، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الافاضات الیومیہ'' جلد ۷ر صفحہ ۲۶۰ر میں ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ ان کے استاد حضرت مولانا قلندر صاحب جو جلال آباد (ضلع مظفر نگر) میں رہتے تھے وہ صاحب حضوری تھے (ایسے بزرگ کو صاحب حضوری کہتے ہیں جس کو ہر روز خواب میں آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے) حضرت مولانا قلندر صاحب کو بھی ہر روز خواب میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی، جب مدینہ شریف جارہے تھے تو کسی غلطی پر اپنے جمّال (اونٹ والے) کو جو ایک نوجوان شخص تھا تھپڑ مار دیا، بس اسی روز سے زیارت بند ہوگئی اور انھیں اس کا بڑا غم ہوا، اسی غم میں جب مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کے مشائخ سے رجوع کیا کہ کیا تدبیر کی جائے، سب نے کہا ہمارے قابو سے باہر ہے، البتہ ایک عورت مجذوبہ ہے وہ کبھی کبھی روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے آتی ہے اگر وہ کبھی آئے تو اس سے کہو وہ اگر توجہ کرے گی تو پھر انشاء اللہ زیارت نصیب ہونے لگے گی، وہ اس مجذوبہ کے منتظر رہے، ایک دن وہ بی بی آئیں ان سے انہوں نے عرض کیا تو انھیں ایک جوش ہوا اور اسی جوش میں انہوں نے روضۂ اقدس کی طرف اشارہ کرکے کہا ''شف'' یعنی دیکھ انہوں نے جو اس طرف نظر کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اپنی آنکھوں سے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا پھر اس کے بعد وہی کیفیت جو حضوری کی تھی حاصل ہوگئی اور خواب میں جو زیارت ہونا بند ہوگئی تھی وہ پھر جاری ہوگئی

گو تھپڑ مارنے کے بعد مولانا قلندر صاحب نے اس نوجوان سے معافی بھی مانگ لی تھی اور اس نے معاف بھی کر دیا تھا لیکن پھر بھی اس حرکت کا یہ وبال ہوا، بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ لڑکا سید گھرانے کا تھا۔

گمنام پراگندہ بال نیک بندے کا اللہ کے یہاں کیا مقام ہے:

"عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لواقسم علی الله لابره"۔ (مسلم شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے پراگندہ بالوں والے گرد وغبار میں آلودہ جن کو دروازوں پر دھکے دئے جائیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھا جائیں تو ان کی قسم کو اللہ تعالیٰ ضرور پورا کرے۔

اس حدیث شریف کا منشاء یہ ہے کہ کسی کو خستہ حال اور پراگندہ بال دیکھ کر حقیر اور اپنے سے کمتر نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ بہت سے اس حال میں رہنے والے خاصان خدا میں سے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے کسی معاملہ میں قسم کھا جائیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرے گا، یا ایسا نہیں کرے گا، تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھتا ہے اور ویسا ہی کر دیتا ہے۔

حضرت ابو سعید خزازؒ کا ایک فقیر پر دل میں اعتراض:

حضرت ابوسعید خزازؒ فرماتے ہیں کہ میں مسجد حرام میں گیا تو میں نے ایک فقیر کو دیکھا کہ اس پر دو پھٹے ہوئے کپڑے ہیں اور لوگوں سے سوال کر رہا ہے، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ایسے ہی لوگ آدمیوں پر بوجھ ہوتے ہیں، اس نے میری طرف دیکھا اور یہ آیت پڑھی "وَاعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَافِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ"۔ (سورہ بقرہ رکوع ۳۰)

ترجمہ: اس کا یقین رکھو کہ اللہ جل شانہ جانتا ہے اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے اس سے ڈرتے رہو، ابوسعید کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں اپنی بدگمانی سے توبہ کی تو اس نے مجھے آواز دی اور یہ آیت پڑھی "وهو الذی يقبل التوبة عن عباده ويعفوا عن السيات"۔ (شوریٰ رکوع ۳)

ترجمہ: اور وہ ایسی ذات ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ (فضائل حج صفحہ ۲۴۱)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"عن انسؓ قال سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول رب اشعث اغبر ذی طمرين مصفح عن ابواب الناس لواقسم علی الله لابره"۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا بہت سے پراگندہ بال، گرد آلود، پرانی چادروں والے، لوگوں کے دروازوں سے ہٹائے جانے والے، اگر اللہ تعالیٰ (کے بھروسہ) پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا فرما دیں، اس حدیث میں بھی یہی بیان فرمایا ہے کہ کسی بندے کو میلا کچیلا اور پراگندہ بال دیکھ کر اپنے سے کمتر نہ سمجھا جائے کیونکہ اس حال میں رہنے والے بہت سے اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں سے ہوتے ہیں، البتہ واضح رہے کہ حدیث شریف کا مقصد پراگندہ بال اور میلا کچیلا رہنے کی ترغیب دینا نہیں ہے۔

ایک مخنث کا جنازہ:

حضرت عبدالوہاب بن عبدالحمید ثقفیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ دیکھا جس کو تین مرد اور ایک عورت لیے جا رہے ہیں اور کوئی آدمی جنازہ کے ساتھ نہیں تھا، میں ساتھ ہو لیا اور عورت کی جانب کا حصہ میں نے لے لیا، قبرستان لے گئے وہاں اس کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اس کو دفن کر کے میں نے پوچھا یہ کس کا جنازہ تھا، عورت نے کہا یہ میرا بیٹا تھا، میں نے پوچھا تیرے محلّہ میں اور کوئی مرد نہ تھا جو تیری جگہ جنازہ کا چوتھا پایہ پکڑ لیتا، اس نے کہا آدمی تو بہت تھے لیکن اس کو ذلیل سمجھ کر کوئی ساتھ نہ آیا، میں نے پوچھا کیا بات تھی جس سے ذلیل سمجھتے تھے، کہنے لگی یہ مخنث تھا (ہجڑا یا عورتوں جیسی حرکات کرنے والا) مجھے اس عورت پر ترس آیا، میں اس کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا اور

اس کو کچھ دام، کپڑے اور گیہوں دیئے، میں نے رات کوخواب میں دیکھا کہ ایک شخص اس قدر حسین گویا چودھویں رات کا چاند، نہایت سفید، عمدہ لباس پہنے ہوئے آیا اور میرا شکریہ ادا کرنے لگا میں نے پوچھاتم کون ہو، کہنے لگا میں وہی مخنث ہوں جس کو تم نے آج دفن کیا، مجھ پر حق تعالی شانہ نے اس وجہ سے رحمت فرمادی کہ لوگ مجھے ذلیل سمجھتے تھے۔(فضائل صدقات جلد دوم صفحہ ۲۵)

مقام رضائے الٰھی:

”عن ثوبان رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اِنَّ مِنْ اُمَّتِی مَنْ لَوْ جَاءَ اَحَدُكُمْ يسألُهٗ دِيْنَاراً لَمْ يُعْطِهٖ ولو سأله درهماً لم يعطه ولو سأله فِلْساً لَمْ يُعْطِهٖ وَلَوْ سَالَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ اَعْطَاهُ اِيَّاهَا ذِیْ طِمْرَيْنِ لَايُؤْبَهُ لَهٗ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ “۔(طبرانی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی شخص تم میں سے کسی کے پاس آئے اور دینار مانگے تو وہ اس کو نہ دے، اگر ایک درہم مانگے تو وہ بھی نہ دے اور اگر ایک پیسہ مانگے تو وہ اس کو ایک پیسہ تک نہ دے (لیکن اللہ تعالی کے یہاں اس کا مقام یہ ہے) اگر وہ اللہ تعالی سے جنت مانگ لے تو اللہ تعالی اس کو جنت دیدیں، حالانکہ اس شخص کے بدن پر صرف دو پرانی چادریں ہوں، اس کی بالکل پرواہ نہ کی جاتی ہو؛ لیکن اگر وہ اللہ تعالی پر قسم کھائے تو اللہ تعالی اس کو ضرور پورا کردیں۔

حضرت حبیب عجمی کا مقام:

ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ مغرب کی نماز کے وقت حبیب عجمی کے یہاں پہنچے لیکن آپ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے، حسن بصریؒ نے جب دیکھا کہ آپ الحمدللہ کے بجائے ''الھمد'' چھوٹی ھا سے قرأت کررہے ہیں تو یہ خیال کر کے کہ آپ چونکہ قرآن کا تلفظ صحیح ادا نہیں کرسکتے، اس لیے آپ کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے، چنانچہ انہوں نے علیحدہ نماز پڑھی لیکن رات کوخواب میں اللہ تعالی کا دیدار ہوا آپ نے عرض کیا کہ یااللہ تیری رضا کا ذریعہ کیا ہے، ارشاد ہوا تو نے ہماری رضا پائی لیکن اس کا مقام نہیں سمجھا، آپ نے پوچھا وہ کونسی رضا تھی، ارشاد ہوا کہ اگر تو نماز میں حبیب عجمی کا اقتدا کرلیتا تو تیرے لیے تمام عمر کی نمازوں سے بہتر تھا کیونکہ تو نے اس کی ظاہری عبادت کا تصور تو کیا لیکن اس کی نیت نہیں دیکھی جب کہ ولی کی نیت سے تلفظ کی صحت کم درجہ رکھتی ہے۔(تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۳۷)

نوٹ: تحفۂ حفاظ میں یہ واقعہ صبح کی نماز کا اور حسن العزیز جلد ا صفحہ ۱۶۰ر پر شب کو نفل نماز کا لکھا ہے۔واللہ واعلم

مومن کے بارے میں بدگمانی کی ممانعت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو دیکھ کر (تعجب سے) ارشادفرمایا ''لا الہ الا اللہ'' اے کعبہ! تو کس قدر پاکیزہ ہے، تیری خوشبو کس قدر عمدہ ہے اور تو کتنا زیادہ قابل احترام ہے؛ لیکن مومن کی عزت واحترام تجھ سے زیادہ ہے اللہ تعالی نے تجھے قابل احترام بنایا ہے اور (اسی طرح) مومن کے مال خون اور عزت کو بھی قابل احترام بنایا ہے اور (اسی احترام کی وجہ سے) اس بات کو بھی حرام قرار دیا ہے کہ ہم مومن کے بارے میں ذرا بھی بدگمانی کریں۔(طبرانی)

ایک درویش کو حقیر سمجھنے کیو جہ سے بیروں کا پتھر بن جانا:

حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ بیان کرتے ہیں کہ قدرت الٰہی کے عجائبات میں سے ہے کہ شاہجہاں آباد دہلی کے نواح میں بیروں کے باغ سے ایک درویش کا گزر ہوا، اس وقت بیر لگے ہوئے تھے اور پھل آرہا تھا، اس درویش نے باغبان سے بیر مانگے، باغبان نے ترش روئی کے ساتھ کہا ''یہاں بیر نہیں پتھر ہیں، جی چاہے کھالے'' درویش کو غصہ آگیا اور غضبناک ہوکر کہا اگر پتھر ہیں تو پھل کے بجائے پتھر ہی اٹھانا، یہ کہا اور چل دیا، اچانک باغبان کی نظر جو بیریوں پر پڑی

تو تمام بیر پتھر بن چکے تھے، سخت افسوس کیا لیکن اب افسوس سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے، لوگ حیرت اور تعجب سے ان بیروں کو جو پتھر بن گئے تھے دوسری جگہ لیجاتے تھے اور زہر مہرہ کی طرح امراض میں کام لاتے تھے، چنانچہ ان میں سے بادشاہ زماں شاہ عالم کے دربار میں بھی پہنچا، بادشاہ نے اس کو استاذ الاساتذہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی بارگاہ میں پیش کیا، اس وقت اس بندہ گنہگار (مفتی الٰہی بخش صاحب) نے بھی اس کو عبرت کی نگاہ سے دیکھا تو سوکھے ہوئے بیر کے برابر سخت پتھر تھا جو دیکھنے میں بالکل بیر معلوم ہوتا تھا، اوپر سے گدلا اور اندر سے سفید، اصلی بیر سے امتیاز مشکل سے ہوتا تھا "ان اللّٰہ علی کل شیٔ قدیر"۔ (تاریخ مشائخ کاندھلہ صفحہ ۵۱/۵۲)

حضرت ذوالنون مصری کو اہل کشتی کا حقیر سمجھنا:

ایک مرتبہ آپ کشتی میں سفر کر رہے تھے کسی بیوپاری کا موتی کھو گیا اہل کشتی نے آپ کو مشکوک تصور کر کے زدوکوب کرنا شروع کردیا، آپ نے آسمان کی جانب نظر اٹھا کر کہا کہ اے اللہ! تو علیم ہے کہ میں نے کبھی چوری نہیں کی، یہ کہنا ہی تھا کہ دریا میں سے صدہا مچھلیاں منھ میں ایک ایک موتی دبائے نمودار ہوئیں اور آپ نے ایک مچھلی کے منھ سے موتی نکال کر اس بیوپاری کو دیدیا، اس کرامت کے مشاہدہ کے بعد تمام مسافروں نے معافی طلب کی، اسی وجہ سے آپ کا خطاب ذوالنون پڑ گیا۔ (تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۷۸)

حضرت ذوالنون کو اہل مصر کا حقیر سمجھنا اور ان کا خاص مقام:

آپ کے انتقال کی شب میں ستر اولیاء کرام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خدا کے دوست ذوالنون مصری کے استقبال کے لیے آیا ہوں، انتقال کے بعد لوگوں نے آپ کی پیشانی پر یہ کلمات لکھے ہوئے دیکھے "ھذا حبیب اللّٰہ مات فی حب اللّٰہ وھذا قتیل اللّٰہ مات من سیف اللّٰہ" یہ اللہ کا حبیب ہے اور اس کی محبت میں مرگیا اور یہ اللہ کی تلوار سے قتل ہوگیا، دھوپ کی شدت کی وجہ سے آپ کے جنازے پر پرندے سایہ فگن ہوگئے تھے، جس طرف سے آپ کا جنازہ گزرا وہاں مسجد میں مؤذن اذان دے رہا تھا جس وقت وہ "اشھدان لاالٰہ الا اللّٰہ واشھدان محمدا رسول اللّٰہ" پر پہنچا تو آپ نے شہادت کی انگلی اٹھادی جس کی وجہ سے لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید آپ حیات ہیں لیکن جب جنازہ رکھ کر دیکھا تو آپ مردہ تھے اور انگشت شہادت اٹھی ہوئی تھی اور بہت کوشش کے باوجود بھی سیدھی نہیں ہوئی، چنانچہ اسی طرح آپ کو دفن کردیا گیا، آپ کی یہ کرامت دیکھ کر اہل مصر آپ کو مسلسل اذیت پہنچانے کی وجہ سے بیحد نادم ہوئے اور انھوں نے اپنی غلطیوں سے توبہ کی۔ (تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۸۷)

حدیث شریف میں وارد ہے کہ انسان کے بدترین ثابت ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ کسی مسلمان کو حقیر اور ذلیل سمجھے، حدیث شریف میں ہے "عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المسلم اخوالمسلم لایخونہ ولایکذبہ ولایخذلہ کل المسلم علی المسلم حرام عرضہ ومالہ ودمہ التقوی ھھنا بحسب امرءٍ من الشر ان یحتقر اخاہ المسلم"۔ (ترمذی شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہٰذا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی خیانت نہ کرے اور نہ اس کو جھٹلائے اور نہ اس کو ذلیل کرے، ہر مسلمان کی عزت اور اس کا مال اور اس کی جان دوسرے پر حرام ہے اور تقوی یہاں ہے (آپ نے دل کی طرف اشارہ فرمایا) اور کسی انسان کے بدترین ثابت ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

❁❁❁❁❁

حالات حاضرہ

عالمی خبریں News World

حافظ عبدالستار عزیزی

مرکز میں گجرات کے دو عالم دین کی حاضری

۲۵ رمئی ۲۰۰۹ء بروز پیر کو جامعہ دارالقرآن سرخیز احمد آباد (گجرات) سے مولانا عبدالسلام صاحب انوری اور مولانا محمد شاکر صاحب انوری مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد تشریف لائے اور مرکز کے ادارہ جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ کے بچوں کا ٹیسٹ لیا اور یہاں کے نظم وانتظام اور تعلیم کو سراہا، نیز اس کے بعد مرکز کے دوسرے ادارہ جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات میں بچیوں کے پروگرام میں بھی شرکت کی اور وہاں کے بچیوں کو داد وتحسین سے نوازا، اگلے روز صبح ناشتہ کے بعد روانہ ہوئے۔

قرآن مجید کا نیپالی زبان میں ترجمہ

دنیا کی اکثر زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع ہو چکے ہیں جس کی بدولت اسلام کے تعارف اور اسلام فہمی کے دروازے روز بروز کھلتے چلے جارہے ہیں اور توفیق الٰہی سے بہت سے قلوب اس روشنی سے معمور ہو چکے ہیں، حال ہی میں نیپالی زبان بھی اس سعادت سے مشرف ہوئی ہے، چنانچہ نیپال کی سربراہی میں پانچ سال کی مدت میں اس کا پہلا مکمل ترجمہ شائع ہو گیا ہے، اس خدمت کے لیے مالی اعانت ''القرآن اکیڈمی'' لندن نے فراہم کی ہے، اس کا اجراء کاٹھمنڈو میں ایک تقریب کے دوران عمل میں آیا، جس میں مسلم علماء کے علاوہ ہندو اور بدھ مت کے متعین نے بھی شرکت کی، یہ ترجمہ قرآن کے ۱۱۶۸ رصفحات پر مشتمل ہے، اس مکمل ترجمے سے قبل صرف چند سورتوں کے ترجمے نیپالی زبان میں دستیاب تھے، اس زبان میں یہ کوشش قابل ستائش ہے۔

تین ارب ڈالر سے زکوۃ وخیرات فنڈ کا قیام

جدہ-اسلامی تنظیم کانفرنس کی انٹرنیشنل زکوۃ آرگنائزیشن نے تین ارب ڈالر کے عالمی زکوۃ اور خیراتی فنڈ کا اعلان کیا ہے، یہ فنڈ ذرائع آمدنی کے لیے چھوٹے اور درمیانے کاروبار میں سرمایہ، سماجی ترقی کے لیے اسپتالوں، تعلیمی اداروں اور ہاؤسنگ، ڈیولپمنٹ، زرعی ترقی اور ضروری بنیادی ڈھانچہ ریلیف اور ہنگامی حالات میں مہیا کیا جائے گا، ادارے کے چیئر مین ڈاکٹر احمد زاہد حامدی کا کہنا ہے کہ دنیا غربت، کرپشن اور عدم مساوات کا شکار ہے۔

ایتھنس میں قرآن پاک کی بے حرمتی

یونان کی دارالحکومت ایتھنس میں ایک پولس والے کے ذریعہ قرآن پاک کی بے حرمتی سے ناراض ہزاروں مسلمانوں نے پارلیمنٹ کے باہر زبردست مظاہرہ کیا، بتایا جاتا ہے کہ ایک پولیس افسر نے وہاں موجود ایک شخص کے پاس سے قرآن پاک کو چھین کر پھاڑ کر زمین پر پھینک دی، پولس نے معاملے کی تفتیش شروع کردی ہے، میڈیا نے اطلاع دی کہ اس واقعہ سے مشتعل ہزاروں مسلمانوں نے دارالحکومت میں ہاتھوں میں بینر لے کر مظاہرہ کیا۔

فحش ویب سائٹ کے استعمال سے مسلمان گریز کریں

جکارتہ-انڈونیشیا کے علمانے گزشتہ روز مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ انٹرنیٹ کی ایسی سائٹوں کے استعمال سے گریز کریں جو ذہن کو پراگندہ کرتی ہوں، جاوا اور بالی جزیروں میں اسلامی معاملوں کے اسکالروں نے آگاہ کیا کہ Fece Book جیسی سائٹ سماج میں فحاشی اور جنسیات کو فروغ دے رہی ہیں، ایک غیر مشروط معاہدے کے تحت تقریباً ۱۰۰ ر سے زائد اسلامک اسکالروں نے یہ تجویز پیش کی اور کہا کہ ''فیس بک'' جیسی سائٹیں ذہن کو خراب کرنے کے ساتھ ساتھ جرائم کو فروغ دیتی ہیں، ان کے استعمال سے انسانی ذہن کے ساتھ ساتھ سماج پر بھی برا اثر پڑتا ہے، ترجمان عبدالمعید صہیب نے کہا کہ ہم ایسی سائٹوں کے استعمال سے منع کرتے ہیں جس سے ہماری اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی ہوتی ہے، انٹرنیٹ پر غیر ضروری باتیں اور نیٹ دوستی کے ذریعہ سب سے زیادہ سماج پر منفی اثرات پڑ رہے ہیں اور یہ اسلامی نظریہ کے اعتبار سے جائز نہیں ہیں، واضح ہو کہ ''فیس بک'' اسلامی ممالک میں سب سے زیادہ مقبول ہے۔